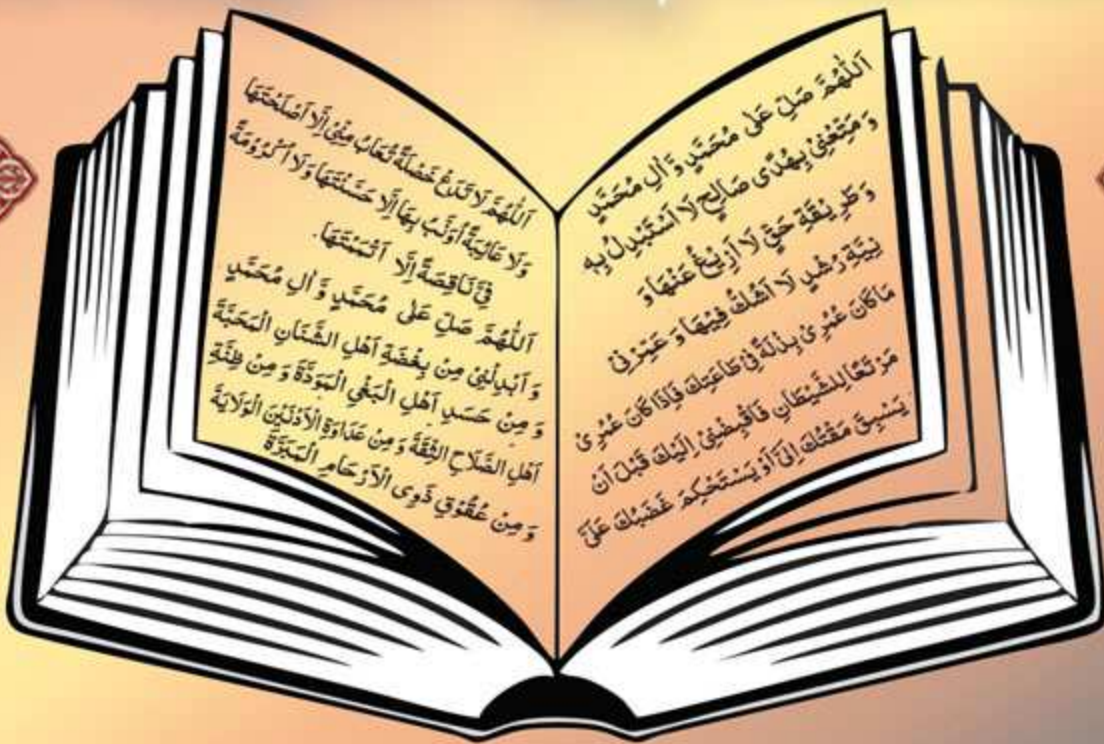


مکارم الاخلاق

دعائے امام سجاد (ع) از صحیفہ کاملہ



ترجمہ و حواشی

علامہ مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ

مرکز افکار اسلامی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مکارم الاخلاق

(دُعائے امام زین العابدین علیہ السلام از صحیفہ کاملہ)

ترجمہ و حواشی

علامہ مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ

ناشر

مرکز افکار اسلامی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب:	مکارم الاخلاق
اہتمام:	مرکز افکار اسلامی
تاریخ اشاعت:	محرم الحرام ۱۴۴۲ھ (ستمبر 2020ء)
ناشر:	مرکز افکار اسلامی

خط و کتابت اور کتاب حاصل کرنے کیلئے رجوع کریں

مرکز افکار اسلامی

پوسٹ بکس نمبر 621، راولپنڈی، پاکستان

Email: afkareislami@yahoo.com

whatsapp 0092 (0)335 1625579

فہرست کتاب

* پیش گفتار _____ 4

● دعائے مکارم الاخلاق کی جامعیت (علامہ سید علی نقی اعلی اللہ مقامہ) _____ 7

9	۲۔ رذائل متعلقہ بقلب	9	۱۔ فضائل متعلقہ بقلب
10	۳۔ رذائل متعلقہ بلسان	9	۳۔ فضائل متعلقہ بلسان
11	۶۔ رذائل متعلقہ بجوارح	10	۵۔ فضائل متعلقہ بجوارح

● دعائے مکارم الاخلاق (مثنیٰ و ترجمہ) _____ 13

● شرح و حاشیہ دعائے مکارم الاخلاق (علامہ مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ) _____ 27

۱۔ ایجابی صفات: _____ 30

33	۳۲	یقین	30	ایمان
37	35	عدل	35	عمل
43	42	محبت و مودت	39	تقویٰ
44	44	چشم	43	احسان
	45	راست گوئی	44	اصلاح ذات البین

۲۔ سلبی صفات: _____ 46

48	46	قیاس	46	بدعت
50	50	غیظ و غضب	49	حسد
54	52	سوء ظن	51	تعبیر
55	54	اسراف	54	دشنام طرازی
			56	سوال

☆☆☆☆☆

پیش گفتار

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَ
الْمُرْسَلِیْنَ وَاِلَیْهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ.

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انسان کو خلق کیا اور عبادت کو اس کی خلقت کا ہدف قرار دیا۔ پھر دُعا کا حکم دیا اور اجابت دُعا کا وعدہ کیا اور دُعا کو عبادت قرار دیا اور تکبر کی وجہ سے اس عبادت کے انجام نہ دینے والوں کا ٹھکانا جہنم قرار دیا۔ ارشاد فرمایا:

﴿ اذْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۗ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ
سَیَلْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ ذٰخِرِیْنَ ۝۶۰ ﴾

مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا جو لوگ تکبر کی وجہ سے میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں یقیناً وہ ذلیل ہو کر عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے۔^۱
قرآن مجید میں اللہ سبحانہ نے کبھی اپنے بندوں کو دُعا کے الفاظ بتائے اور کبھی اپنے بندوں کی پیاری پیاری دُعاؤں کو قرآن کا حصہ بنا دیا۔

دُعا جہاں اللہ سے مانگنے کا ذریعہ ہے وہیں اللہ سے رابطے کا طریقہ بھی ہے۔ انبیاء و صالحین نے بھی روش قرآنی کو اپناتے ہوئے دُعاؤں کا سرمایہ چھوڑا۔ ان دُعاؤں کے مجموعوں میں سے ایک مشہور مجموعہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی دُعاؤں کا مجموعہ ”الصحیفۃ الکاملہ السجادیۃ“ ہے۔
”صحیفہ کاملہ“ چون (۵۴) دُعاؤں پر مشتمل ہے۔ یہ دُعاؤں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے دو بیٹوں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور جناب زید شہید علیہ السلام کو لکھوائیں۔ اس املاء کو

^۱ سورہ مؤمن (غافر)، آیت ۶۰۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی سماعت فرمایا۔ حضرت امام باقر علیہ السلام نے اپنا تحریر کردہ صحیفہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سپرد فرمایا اور جناب زید کا نسخہ ان کے فرزند جناب بیٹی کی طرف منتقل ہوا۔ یوں یہ دعائیں حفظ و سماعت اور نقل و کتابت کے ذریعہ منتقل ہوتی رہیں اور دنیائے اسلام میں پھیل گئیں اور اہل اسلام نے ان دعاؤں سے معرفت خدا اور تعلیمات الہیہ کے درس حاصل کئے۔ شیعہ سنی علماء اس مجموعہ کی دعاؤں کو ”دعاء علی بن الحسین“ کے عنوان سے نقل کرتے ہیں۔

اس مجموعہ کو ”زبور آل محمد“ اور ”انجیل اہل بیت“ کے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ جیسے اہلسنت کے مشہور عالم سلیمان قندوزی نے اسے ”زبور آل محمد“ لکھا ہے۔^۱

”صحیفہ کاملہ“ اور امام زین العابدین علیہ السلام کی دعاؤں کے دوسرے مجموعے شیعہ سنی علماء میں عام رائج ہیں۔ علامہ شہاب الدین شافعی نے ”صحیفہ کاملہ“ کو حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام کے جانشین رسول ہونے کی دلیل قرار دیا۔^۲

مشہور شیعہ عالم اور ”صحیفہ کاملہ“ کے شارح، صاحب ریاض السالکین لکھتے ہیں:
 ”صحیفہ کاملہ“ آسمانی کتابوں کے اسلوب اور عرش ولوح کے صحیفوں کی روش کا مکمل نمونہ ہے۔^۳

اس دور کے مصر کے مشہور سنی عالم، استاد، فلسفی علامہ طنطاوی جوہری نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی دعاؤں کی اہمیت و عظمت پر دو تفصیلی مضمون لکھے جو پاکستان میں شائع شدہ ”صحیفہ کاملہ“ کے مقدمہ میں درج ہیں، وہ تحریر کرتے ہیں:

کیونکہ مسلمان اب تک اس ذخیرہ سے ناواقف رہے اور کس طرح وہ صدیوں اور پھر صدیوں تک خواب غفلت میں مبتلا رہے اور انہیں احساس تک نہ ہوا کہ اتنا بڑا علمی ذخیرہ خدا نے ان کیلئے مہیا کر رکھا ہے۔ اگر وہ ان خزانوں کو کھول کر دیکھیں اور

^۱ ینابج المودۃ، ص ۳۹۹۔

^۲ ذخیرۃ المال، ص ۸۹۔

^۳ ریاض السالکین، ج ۱، ص ۵۱۔

ان اسرار و رموز پر مطلع ہوں تو سمجھیں کہ سنی و شیعہ فرقے دونوں خواہ مخواہ کیلئے

باہمی افتراق میں مبتلا ہیں اور باہمی عداوت کے نشہ میں سرشار ہیں۔^۱

اس طرح کے اور کئی بے شمار حوالے پیش کئے جاسکتے ہیں مگر اس مختصر کتاب میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ المختصر یہ کہ صحیفہ کاملہ کی دعائیں شیعہ سنی تفریق کے بغیر عالم اسلام کیلئے بہترین ذخیرہ اور عبد و معبود کے درمیان راز و نیاز کا حسین پیرایہ ہونے کے ساتھ معارف اسلامی کا بیش بہا خزینہ ہیں۔ صحیفہ کاملہ کی دُعا نمبر ۲۰ جو ”دُعائے مکارم الاخلاق“ کے عنوان سے درج ہے، انسانی زندگی کا ایک مکمل دستور العمل اور اعلیٰ اسلامی و انسانی اخلاق کا جامع ترین مجموعہ ہے جس سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ اللہ والے اللہ سے کیا مانگتے ہیں اور کیسے مانگتے ہیں۔

اس مختصر کتاب میں اس دُعا کو پیش کیا جا رہا ہے تاکہ انسان اپنی زندگی کو رب کی مرضی کے مطابق ڈھال سکیں اور اللہ کی خوشنودی حاصل کر سکیں۔ اس دُعا کو عربی اور اردو ترجمہ کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے اور ساتھ ہی علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ کا اس دُعا کے بارے میں ایک تحقیقی مضمون اور آخر میں ”صحیفہ کاملہ“ کے مترجم علامہ مفتی جعفر حسین صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کا اس دُعا کا جامع و علمی حاشیہ شامل کیا جا رہا ہے۔

اس دُعا کا مطالعہ ان شاء اللہ جہاں اعلیٰ اسلامی و انسانی اخلاقی اقدار کے ساتھ بندگی کے آداب سکھائے گا وہیں ”صحیفہ کاملہ“ کے مکمل مجموعے کو پڑھنے کی تشویق بھی دلائے گا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہم سب کو تعلیمات قرآن و اہلبیتؑ کو سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

والسلام

مرکز افکار اسلامی

☆☆☆☆☆

دُعائے مکارم الاخلاق کی جامعیت

حضرت سید العلماء مولانا سید علی نقی اعلیٰ اللہ مقامہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَالِقِ الْعَبَادِ الْبَاسِطِ الْأَرْزَاقِ وَالصَّلَوةُ عَلَى رَسُولِهِ
 الْمُبْعُوْثِ لِيُتِمَّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ وَ إِلَيْهِ الشُّمُوسُ الظَّالِمَةُ عَلَى
 الْأَفَاقِ مَا دَامَتِ الْحَيَاةُ تَجْرِي عَلَى الْأَعْرَاقِ.

انسانی زندگی کو انسانیت کے بلند ترین اوصاف سے معمور بنانا خالق انسان کا اہم مقصد ہے جس کیلئے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے، کتابیں نازل ہوئیں اور شریعتیں مقرر ہوئیں۔ انہی بلند انسانی اوصاف کا نام ”مکارم الاخلاق“ ہے اور مکارم الاخلاق کی تکمیل کرنا ہی سلسلہ انبیاء اور نظام ہدایت و تشریح کا حاصل ہے۔ اسی لئے اس سلسلہ کی فردا کمل اور رسول خاتم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا:

إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ.
 یعنی میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ بلند ترین اخلاق انسانی کی عمارت کو پایہ تکمیل تک پہنچاؤں۔^۱

اور یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا تھا جب تک آپ خود اس کا مکمل ترین نمونہ نہ ہوتے۔ اس لئے آپ خود اس کمال بشری کے درجہ پر فائز بنا کر بھیجے گئے جس کو حضرت احدیت کی جانب سے سند عطا ہوئی کہ ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾^۲ اور انہی اخلاق کا بہترین نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

^۱ بحار الانوار، ج ۶۸، ص ۳۸۲۔

^۲ سورہ قلم، آیت ۴۔

اپنے بعد اپنے اہل بیت طاہرین علیہم السلام کو چھوڑا۔ ان کی سیرت زندگی کا ہر گوشہ اخلاقی کمالات کے جواہر سے آراستہ تھا۔ لیکن اس کے دیکھنے، پرکھنے اور سمجھنے کیلئے بڑی چشم بینا کی ضرورت ہے اور اگر ہم سمجھ بھی لیتے تو ہمیں ان کے اظہار کیلئے مناسب لفظیں ملنا دشوار تھیں۔ مگر ان میں سے ایک فرد کامل، شہیدِ کربلا کے فرزند حضرت امام زین العابدین سید الساجدین علی ابن الحسین علیہ وعلیٰ آباءہ و آجتائہ الصلوٰۃ والسلام نے ان اخلاقی کمالات کے تصور کو الفاظ کے قالب میں ڈھال کر دُعاؤں کی شکل میں خلقِ خدا کی تعلیم کیلئے محفوظ کر دیا۔

ان دُعاؤں کا مجموعہ ”زبور آل محمد“ معروف بہ ”صحیفہ کاملہ“ یا ”صحیفہ سجادیہ“ شائع اور متداول ہے۔ ان دُعاؤں میں سے ایک خاص دُعا ”اللُّدَّعَاءُ فِي مَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ وَمَرْفَعِي الْأَعْمَالِ“ ہے جس میں آپؑ نے بارگاہِ الہی میں عرض و معروض کے سلسلہ میں اپنے خالق سے اعمالِ خیر سے اتصاف اور برے اعمال سے بچنے کی توفیق مانگتے ہوئے تفصیل کے ساتھ تمام ان باتوں کا ذکر فرما دیا ہے جن سے ایک انسان کو متصف ہونا چاہیے اور تمام ان اوصاف کو بھی بیان فرما دیا ہے جن سے ایک انسان کو خالی ہونا چاہیے۔

جہاں تک نور کیا جاتا ہے انسانی کمالات تین شعبوں میں منقسم ہیں: اعتقاد، قول اور عمل۔ پہلے کا تعلق دل سے، دوسرے کا زبان سے، تیسرے کا اعضاء و جوارح سے ہے۔ اسی وجہ سے ایمان بھی تین ہی اجزاء سے مرکب ہے:

تَصَدِّيقٌ بِالْجَنَانِ، وَاقْرَأُ بِاللِّسَانِ، وَعَمَلٌ بِالْأَرْكَانِ.

اس لئے انسانی فضائل جن سے متصف ہونا چاہئے اور انسانی رذائل جن سے خالی ہونا چاہیے وہ بھی تین ہی قسمیں رکھتے ہیں:

۱۔ * فضائل متعلقہ بقلب ۲۔ ☆ رذائل متعلقہ بقلب

۳۔ * فضائل متعلقہ بلسان ۴۔ ☆ رذائل متعلقہ بلسان

۵۔ * فضائل متعلقہ بجوارح ۶۔ ☆ رذائل متعلقہ بجوارح

اس دُعائے امام علیؑ نے ان میں سے ہر قسم کے فضائل و رذائل کو انتہائی اختصار کے باوجود اتنی تفصیل سے بیان فرمادیا ہے جس کی توقع ایک مبسوط کتاب ہی سے کی جاسکتی تھی۔

ذیل میں ایک خاکہ ان تمام فضائل و رذائل کا جو اس دُعائے مذکورہ درج کیا جاتا ہے:

۱۔ فضائل متعلقہ بقلب:

☆ ایمان	☆ یقین	☆ حسن نیت
☆ احساسِ عبودیت	☆ احساسِ تواضع	☆ محبتِ خلق
☆ اہل صلاح پر اعتماد	☆ اطمینان	☆ خیر خواہی
☆ قدر شناسی	☆ نرمی	☆ اکتسابِ فضائل میں رغبت
☆ اپنی نیکیوں کو کم سمجھنا	☆ برائیوں کو زیادہ سمجھنا	☆ ذکر
☆ تفکر	☆ پرہیزگاری	☆ علمِ باعمل
☆ محبتِ خدا		

۲۔ رذائل متعلقہ بقلب:

☆ غرور	☆ خود بینی	☆ ناز
☆ بے جا شک	☆ بغض	☆ حسد
☆ بدگمانی	☆ خوشامدانہ محبت	☆ خوفِ خلق
☆ عیب جوئی	☆ گمراہی	☆ آرزوئے بے محل
☆ فریفتگی	☆ غفلت	

۳۔ فضائل متعلقہ بلسان:

☆ حسنِ ذکر	☆ شکرِ نعمت	☆ اشاعتِ احسان
☆ عیب پوشی	☆ حق گوئی	☆ بارگاہِ الہی میں دُعا

☆	تضرع و زاری	☆	حمد پروردگار	☆	شکر الہی
☆	نطق ہدایت				

۴۔ رذائل متعلقہ بلسان:

☆	احسان جتنا	☆	غیبت کرنا	☆	عیب لگانا
☆	غیر خدا سے مدد مانگنا	☆	غیر کے سامنے گڑگڑانا	☆	فحش
☆	بیہودہ لفظ	☆	سب و شتم	☆	جھوٹی گواہی
☆	غیر خدا کو اس کا شریک سمجھ کر پکارنا	☆	جو کچھ دے اسکی تعریف جو نہ دے اسکی مذمت		

۵۔ فضائل متعلقہ بجوارح:

☆	حسن عمل	☆	فردا کی جو ابد ہی کا سامان		
☆	غرض خلقت میں صرف اوقات	☆	لوگوں کے ساتھ بھلائی		
☆	اطاعتِ خدا	☆	رشتہ داروں سے نیکی	☆	ان کی امداد
☆	حسن معاشرت	☆	اصلاح کر نیوالے کی فرمانبرداری اور ہدایت کر نیوالے کی پیروی		
☆	ظالموں پر غلبہ	☆	محروم کرنے والوں پر بخشش		
☆	قطع رحم کرنے والوں کے ساتھ صلہ رحم	☆	انصاف		
☆	الگ رہنے والوں کو ملانا	☆	باہمی عداوتوں کو دفع کرنا	☆	جھک کر ملنا
☆	نیک عادتیں اختیار کرنا	☆	فضیلت کی طرف بڑھنے میں سہقت		
☆	داد و دہش	☆	بر محل صرف	☆	اتفاق و اتحاد کو قائم رکھنا
☆	بدعت والوں کو چھوڑنا	☆	سیدھے راستے پر چلنا	☆	میانہ روی
☆	حق کی طرف رہنمائی	☆	مال کے صرف کرنے میں نیکی کرنا		

☆	عبادت	☆	زہد	☆	علم کے مطابق عمل
☆	روزی کی طلب میں اعتدال				

۶۔ رذائل متعلقہ بجوارح:

☆	کج روی	☆	شیطان کی اطاعت	☆	معیوب عادتیں
☆	رشتہ داروں کے حقوق میں کوتاہی	☆	ساتھ رہنے والوں کو دھکیلنا		
☆	برادرانِ ایمانی سے قطع تعلقات	☆	قطع رحم		
☆	بے جا غصہ سے کام لینا	☆	عبادت میں کسل		
☆	جو لوگ خدا سے الگ ہو گئے ہیں ان کے ساتھ بیٹھنا	☆	اللہ والے لوگوں سے جدا ہونا		
☆	غیر خدا کے سامنے جھکنا	☆	ظلم	☆	سرکشی
☆	مال دنیا کی ہوس	☆	فضول خرچی		
☆	کسبِ مال میں مصروف ہو کر عبادت سے غفلت				

اس فہرست کو اگر دیکھئے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی ضخیم کتاب الاخلاق کی فہرست ہے، مگر ان تمام ابواب کو امام علیؑ نے چند صفحات کی دُعا میں اتنی بے نظیر متانت، جامعیت اور بلاغت کے ساتھ ادا فرمایا ہے جس کی نظیر ماننا غیر ممکن ہے۔

پھر ایک خاص بات یہ ہے کہ ان تمام ایچھے اخلاق سے اتصاف اور ان برے اوصاف سے علیحدگی کو بطور دُعا اللہ سبحانہ سے طلب کیا ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر تائیدِ الہی شامل حال نہ ہو تو تنہا انسان اس مرحلہ کو آخر تک طے کرنے سے عاجز ہے۔

بے شک ابتدائی منزل ذوق و شوق میں قدم زنی کرنا انسان کا خود اختیاری فرض ہے، لیکن جب وہ لو لگاتا ہے تو پھر خود لطفِ الہی اس کی اصلاح حال اور تائید و تسدید کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾^۱۔ اسی حقیقت کو اس مناجات میں دُعا کے ذریعہ سے ظاہر کیا گیا ہے۔

موجودہ زمانہ میں جبکہ مادیت کا دور دورہ ہے، خلق خدا کی آنکھوں سے غفلت کے پردے ہٹانے کیلئے آل محمد ﷺ کے بصیرت افروز کلمات بہترین نسخہ کیسیا ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو باتیں دل سے نکلی ہوئی ہوتی ہیں وہ دلوں پر اثر کر کے رہتی ہیں۔ ہم اگر اپنے لفظوں سے ان باتوں کو ظاہر کرنا بھی چاہیں تو ان کا قارئین کے دلوں تک پہنچنا نہایت دشوار ہے۔ اس لئے کہ نہ دل میں درد ہو اور نہ سوز جگر اور نہ ذوق طلب اور نہ شوق قبول تو پھر تاثیر کیسی ہو؟۔

یہ خوش قسمتی ہے کہ اس مقصد کے حصول کیلئے ایک بہترین ذریعہ موجود ہے اور وہ آل رسول کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں۔ اگر پڑھنے والے اور سننے والے میں کچھ بھی صلاحیت قبول ہے تو ممکن نہیں کہ یہ درد و سوز اور ذوق و شوق سے بھرے ہوئے کلمات اثر ڈال کر نہ رہیں۔

مبارک ہوں گے وہ جو معصوم ﷺ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو اپنے اوراد و وظائف میں داخل کریں، ان کے معانی پر غور کریں اور ان سے صحیح فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔ والسلام!

☆☆☆☆☆

دُعَا (۲۰)

(۲۰) وَكَانَ مِنْ دُعَائِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

پسندیدہ اخلاق و شائستگی کردار کے سلسلہ

فِي مَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ وَ

میں حضرت کی دُعا

مَرْضِي الْأَفْعَالِ

بارالہا! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ،

فرما اور میرے ایمان کو کامل ترین ایمان کی حد

وَ بَلِّغْ بِيَّيْمَانِي أَكْمَلَ الْإِيْمَانِ،

تک پہنچا دے، اور میرے یقین کو بہترین یقین

وَ اجْعَلْ يَقِيْنِي أَفْضَلَ الْيَقِيْنِ،

قرار دے، اور میری نیت کو پسندیدہ ترین

وَ اَنْتَهُ بِنِيَّتِي إِلَى أَحْسَنِ

نیت، اور میرے اعمال کو بہترین اعمال کے

النِّيَّاتِ، وَ بَعْمَلِي إِلَى أَحْسَنِ

پایہ تک بلند کر دے۔

الْأَعْمَالِ.

خدا وندا! اپنے لطف سے میری نیت کو

اللَّهُمَّ وَفِّرْ بِلُطْفِكَ نِيَّتِي،

خالص و بے ریا، اور اپنی رحمت سے میرے

وَ صَحِّحْ بِهَا عِنْدَكَ يَقِيْنِي،

یقین کو استوار، اور اپنی قدرت سے میری

وَ اسْتَصْلِحْ بِقُدْرَتِكَ مَا

خرابیوں کی اصلاح کر دے۔

فَسَدَ مِيْنِي.

بارالہا! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ،

فرما، اور مجھے ان مصروفیتوں سے جو عبادت میں

وَ اكْفِنِي مَا يَشْغَلُنِي

مانع ہیں بے نیاز کر دے، اور انہی چیزوں پر

وَ الْإِهْتِمَامُ بِهِ، وَ اسْتَعْمِلْنِي

عمل پیرا ہونے کی توفیق دے جن کے بارے

بِمَا تَسْأَلُنِي عَدَا عَنْهُ،

میں مجھ سے کل کے دن سوال کرے گا، اور

وَ اسْتَفْرِغْ أَيَّامِي فِيْمَا

میرے ایام زندگی کو غرض خلقت کی انجام دہی

وَ اَعْنِنِي لَهُ، وَ اَعْنِنِي

کیلئے مخصوص کر دے اور مجھے (دوسروں سے)

وَ اَوْسِعْ عَلَيَّ فِي رِزْقِكَ،

و لَا تَفْتِنِّي بِالنَّظَرِ، بے نیاز کر دے، اور میرے رزق میں کشاکش و
وَاعِزِّي وَ لَا تَبْتَلِيَنِّي بِالْكِبْرِ، وسعت عطا فرما، احتیاج و دست نگری میں مبتلا
وَعِبْدِي لَكَ وَ لَا تُفْسِدْ نہ کر، عزت و توقیر دے، کبر و غرور سے دوچار نہ
عِبَادَتِي بِالْعُجْبِ، وَ أَجْرِ لِنَّاسٍ عَلَى يَدَيِ الْخَيْرِ ہونے دے، میرے نفس کو بندگی و عبادت کیلئے
و لَا تَمَحِّقْهُ بِالْمَنِّ، رام کر، اور خود پسندی سے میری عبادت کو فاسد
و هَبْ لِي مَعَالِي فیض پہنچا، اور اسے احسان جتانے سے راہیگاں
الْأَخْلَاقِ وَ اعْصِمْنِي نہ ہونے دے، مجھے بلند پایہ اخلاق مرحمت فرما
مِنَ الْفَخْرِ. اور غرور اور تفاخر سے محفوظ رکھ۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ، بارالہا! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل
و لَا تَرَفَعْنِي فِي النَّاسِ دَرَجَةً إِلَّا فرما اور لوگوں میں میرا درجہ جتنا بلند کرے
حَطَّطْتَنِي عِنْدَ نَفْسِي مِثْلَهَا، اتنا ہی مجھے خود اپنی نظروں میں پست کر دے،
و لَا تُحَدِّثْ لِي عِزًّا ظَاهِرًا إِلَّا اور جتنی ظاہری عزت مجھے دے اتنا ہی
أَحْدَثْتَ لِي ذِلَّةً بَاطِنَةً عِنْدَ میرے نفس میں باطنی بے وقعتی کا احساس
نَفْسِي بِقَدَرِهَا. پیدا کر دے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ، بارالہا! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل
مُحَمَّدٍ، وَ مَتَّعْنِي بِهَدْيِ فرما اور مجھے ایسی نیک ہدایت سے بہرہ مند فرما
صَالِحٍ لَا أَسْتَبْدِلُ بِهِ، کہ جسے دوسری چیز سے تبدیل نہ کروں، اور
وَ طَرِيقَةَ حَقِّ لَا أَرْبِغُ عَنْهَا، ایسے صحیح راستہ پر لگا جس سے کبھی منہ نہ موڑوں،
وَ نِيَّةِ رُشْدٍ لَا أَشْكُ فِيهَا، اور ایسی پختہ نیت دے جس میں ذرا شبہ نہ

وَ عَمِرْنِي مَا كَانَ عُمِرِي بِذِلَّةٍ فِي طَاعَتِكَ، فَإِذَا كَانَ عُمِرِي مَرْتَعًا لِلشَّيْطَانِ فَأَقْبِضْنِي إِلَيْكَ قَبْلَ أَنْ يَسْبِقَ مَقْتُكَ إِلَيَّ، أَوْ يَسْتَحْكِمَ غَضَبُكَ عَلَيَّ.

کروں، اور جب تک میری زندگی تیری طاعت و فرمانبرداری کے کام آئے مجھے زندہ رکھ، اور جب وہ شیطان کی چراگاہ بن جائے تو اس سے پہلے کہ تیری ناراضگی سے سابقہ پڑے یا تیرا غضب مجھ پر یقینی ہو جائے، مجھے اپنی طرف اٹھالے۔

اللَّهُمَّ لَا تَدَعْ خَصْلَةً تُعَابُ مِنِّي إِلَّا أَصْلَحْتَهَا، وَلَا عَائِبَةً أُوذِبُ بِهَا إِلَّا حَسَنْتَهَا، وَلَا أُكْرِمَةً فِي نَاقِصَةٍ إِلَّا أَكْمَلْتَهَا.

اے معبود! کوئی ایسی خصلت جو میرے لئے معیوب سمجھی جاتی ہو اسکی اصلاح کئے بغیر نہ چھوڑ، اور کوئی ایسی بری عادت جس پر میری سرزنش کی جاسکے اسے درست کئے بغیر نہ رہنے دے، اور جو پاکیزہ خصلت ابھی مجھ میں نا تمام ہو، اسے تکمیل تک پہنچا دے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، وَأَبْدِلْنِي مِنْ بَغْضَةِ أَهْلِ الشَّنَانِ الْمَحَبَّةَ، وَ مِنْ حَسَدِ أَهْلِ الْبَغْيِ الْمَوَدَّةَ، وَ مِنْ ظَنَّةِ أَهْلِ الصَّلَاحِ الثَّقَّةَ، وَ مِنْ عَدَاوَةِ الْأَدْنِيْنَ الْوَلَايَةَ، وَ مِنْ ذَوِي الْأَرْحَامِ الْمَبَرَّةَ، وَ مِنْ خِدْلَانِ الْأَقْرَبِينَ النَّصْرَةَ، وَ

اے اللہ! رحمت نازل فرما محمدؐ اور ان کی آلؑ پر اور میری نسبت کینہ توڑ دشمنوں کی دشمنی کو الفت سے، سرکشوں کے حسد کو محبت سے، نیکوں سے بے اعتمادی کو اعتماد سے، قریبیوں کی عداوت کو دوستی سے، عزیزوں کی قطع تعلق کو صلہ رحمی سے، قرابتداروں کی بے اعتنائی کو نصرت و تعاون سے، خوشامدیوں کی ظاہری

مِنْ حُبِّ الْمُدَارِينِ تَصْحِيحٌ مَحَبَّةٌ كَوْسَجِي مَحَبَّةٌ سَهْ، اَوْر سَاهْتِيُوں كَه
الْبِقَّةِ، وَ مِنْ رَدِّ الْمَلَابِسِينَ اِهَانَتِ آمِيَز بَرْتَاؤُ كَوْحَسَن مَعَاشَرَتِ سَهْ،
كَرَمَ الْعَشْرَةِ، وَ مِنْ مَرَارَةِ اَوْر ظَالَمُوں كَه خَوْفِ كِي تَلْفِي كُو اَمْنِ كِي شِيْرِيْنِي
خَوْفِ الظَّالِمِينَ حَلَاوَةَ الْاَمْنَةِ. سَهْ بَدَل دَهْ۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ خَدَاوْنِدَا! رَحْمَتِ نَاذَلِ فَرَمَا مُحَمَّدًا اَوْر اِنِ كِي
وَ اِلَيْهِ، وَ اجْعَلْ لِي يَدًا عَلَيَّ اَلَّ پَر اَوْر جُو مَجْھ پَر ظَلْمِ كَرَهْ اَسْ پَر مَجْھ غَلْبَه
مَنْ ظَلَمَنِي، وَ لِسَانًا عَلَيَّ مَنْ دَهْ، جُو مَجْھ سَهْ جْھَلَّزَا كَرَهْ اَسْ كَه مَقَابَلَه مِيں
خَاصَّتَنِي، وَ ظَفَرًا بِسَنْ زَبَانِ (جَحْتِ شَكْنِ) دَهْ، جُو مَجْھ سَهْ دُشْمَنِي
عَانَدَنِي، وَ هَبْ لِي مَكْرًا عَلَيَّ كَرَهْ اَسْ پَر مَجْھ فِتْحِ وَ كَامِرَانِي بَخْشِ، جُو مَجْھ
مَنْ كَايَدَنِي، وَ قُدْرَةً سَهْ مَكْرِ كَرَهْ اَسْ كَه مَكْرَا تُوڑ عَطَا كَرَهْ، جُو مَجْھ
عَلَيَّ مَنْ اضْطَهَدَنِي، دَبَايَ اَسْ پَر قَا بُو دَهْ، جُو مِيْرِي بَدْ گُوْنِي كَرَهْ
وَ تَكْذِيْبًا لِمَنْ قَصَبَنِي، اَسَهْ جْھَلَّزَا نِي كِي طَاقَتِ دَهْ، اَوْر جُو ڈَرَايَ
وَ سَلَامَةً مِمَّنْ تَوَعَدَنِي، دَهْمَكَايَ اَسْ سَهْ مَجْھ مَحْفُوْظ رَكْھ، جُو مِيْرِي
وَ وَفَّقَنِي لَطَاعَةِ مَنْ سَدَّدَنِي، اَصْلَاحِ كَرَهْ اَسْ كِي اَطَاعَتِ اَوْر جُو رَاہِ رَاسَتِ
وَ مُتَابَعَةِ مَنْ اَرْشَدَنِي. دَكْھَايَ اَسْ كِي بِيْرُوِي كِي تُوْفِيْقِ عَطَا فَرَمَا۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ اے اللہ! مُحَمَّدًا اَوْر اِنِ كِي اَلَّ پَر رَحْمَتِ
وَ اِلَيْهِ، وَ سَدِّدْنِي لِاَنَّ اَعَارِضَ نَاذَلِ فَرَمَا اَوْر مَجْھ اَسْ اَمْرِ كِي تُوْفِيْقِ دَهْ كَه جُو
مَنْ غَشَّيْنِي بِالنُّصْحِ، مَجْھ سَهْ عَشِّ وَ فَرِيْبِ كَرَهْ مِيں اَسْ كِي خِيْرِ خَوَاہِي
وَ اَجْزِيْ مَنْ هَجَرَنِي بِالْبُؤْسِ، كَرُوں، جُو مَجْھ چھُوڑ دَهْ اَسْ سَهْ حَسَنِ سَلُوْكَ
وَ اُثِيْبَ مَنْ حَرَمَنِي بِالْبَدْلِ، سَهْ پِيْشِ آؤں، جُو مَجْھ مَحْرُوْمِ كَرَهْ اَسَهْ عَطَا

وَ أَكْفِي مَنْ قَطَعَنِي بِالصِّلَةِ،
وَ أَخَالَفَ مَنْ اغْتَابَنِي إِلَى
حُسْنِ الذِّكْرِ، وَ أَنْ أَشْكُرَ
الْحَسَنَةَ، وَ أُعْضِيَ عَنِ
السَّيِّئَةِ.

بخشش کے ساتھ عوض دوں، اور جو قطع رحمی
کرے اسے صلہ رحمی کے ساتھ بدلہ دوں، اور
جو پس پشت میری برائی کرے میں اسکے بر
خلاف اسکا ذکر خیر کروں اور حسن سلوک پر
شکریہ بجالاؤں اور بدی سے چشم پوشی کروں۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ،
وَ حَلِّئِي بِحَلِيَّةِ الصَّالِحِينَ، وَ
الْبِسْنِي زِينَةَ الْمُتَّقِينَ، فِي بَسْطِ
الْعَدْلِ، وَ كَظْمِ الْغَيْظِ، وَ إِطْفَاءِ
النَّارِ، وَ ضَمِّ أَهْلِ الْفُرْقَةِ، وَ
إِصْلَاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ، وَ إِفْشَاءِ
الْعَارِفَةِ، وَ سِتْرِ الْعَائِبَةِ، وَ لِينِ
الْعَرِيكَةِ، وَ حَفْضِ الْجَنَاحِ، وَ
حُسْنِ السِّيَرَةِ، وَ سُكُونِ الرِّيحِ،
وَ طَيْبِ الْمُخَالَقَةِ، وَ السَّبْقِ إِلَى
الْفَضِيلَةِ، وَ إِيْثَارِ التَّفَضُّلِ، وَ
تَرْكِ التَّعْيِيرِ، وَ الْإِفْضَالِ عَلَى
غَيْرِ الْمُسْتَحِقِّ، وَ الْقَوْلِ بِالْحَقِّ
وَ إِنْ عَدَّ، وَ اسْتِقْلَالَ الْخَيْرِ
وَ إِنْ كَثَرَ مِنْ قَوْلِي وَ فِعْلِي، وَ

بارالہا! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل
فرما اور عدل کے نشر، غصہ کے ضبط، اور فتنہ کے
فرو کرنے، متفرق و پراگندہ لوگوں کو ملانے،
آپس میں صلح صفائی کرانے، نیکی کے ظاہر
کرنے، عیب پر پردہ ڈالنے، نرم خوئی و فروتنی
اور حسن سیرت کے اختیار کرنے، رکھ رکھاؤ
رکھنے، حسن اخلاق سے پیش آنے، فضیلت کی
طرف پیش قدمی کرنے، تفضل و احسان کو ترجیح
دینے، خوردہ گیری سے کنارہ کرنے اور غیر مستحق
کے ساتھ حسن سلوک کے ترک کرنے اور
حق بات کے کہنے میں اگرچہ وہ گراں گزرے،
اور اپنی گفتار و کردار کی بھلائی کو کم سمجھنے میں
اگرچہ وہ زیادہ ہو، اور اپنے قول و عمل کی
برائی کو زیادہ سمجھنے میں اگرچہ وہ کم ہو،
مجھے نیکوکاروں کے زیور اور پرہیزگاروں کی سچ

وَأَسْتَكْتَارِ الشَّرَّ وَإِنْ قَلَّ مِنْ قَوْلِي وَفِعْلِي، وَأَكْمِلْ لِي بِدَوَامِ الطَّاعَةِ، وَ لُزُومِ الْجَمَاعَةِ، وَ رَفُضِ أَهْلِ الْبِدْعِ، وَ مُسْتَعْبِلِ الرَّأْيِ الْمُخْتَرِعِ.

دھج سے آراستہ کر، اور ان تمام چیزوں کو دائی اطاعت اور جماعت سے وابستگی، اور اہل بدعت اور ایجاد کردہ رایوں پر عمل کرنے والوں سے علیحدگی کے ذریعہ پایہ تکمیل تک پہنچادے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ، وَ اجْعَلْ أَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَيَّ إِذَا كَبِزْتُ، وَ أَقْوَى قُوَّتِكَ فِيَّ إِذَا نَصَبْتُ، وَ لَا تَبْتَلِيَنِي بِالْكَسَلِ عَنِ عِبَادَتِكَ، وَ لَا الْعَنَى عَنِ سَبِيلِكَ، وَ لَا بِالتَّعَرُّضِ لِخِلَافِ مَحَبَّتِكَ، وَ لَا مُجَامَعَةِ مَنْ تَفَرَّقَ عَنْكَ، وَ لَا مُفَارَقَةِ مَنْ اجْتَمَعَ إِلَيْكَ.

بارالہا! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور جب میں بوڑھا ہو جاؤں تو اپنی وسیع روزی میرے لئے قرار دے، اور جب عاجز و درماندہ ہو جاؤں تو اپنی قوی طاقت سے مجھے سہارا دے، اور مجھے اس بات میں مبتلا نہ کر کہ تیری عبادت میں سستی و کوتاہی کروں، تیری راہ کی تشخیص میں بھٹک جاؤں، تیری محبت کے تقاضوں کی خلاف ورزی کروں، اور جو تجھ سے متفرق و پراگندہ ہوں ان سے میل جول رکھوں، اور جو تیری جانب بڑھنے والے ہیں ان سے علیحدہ رہوں۔

اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي أَصُولُ بِكَ عِنْدَ الضَّرُورَةِ، وَ أَسْأَلُكَ عِنْدَ الْحَاجَةِ، وَ أَتَضَرَّعُ إِلَيْكَ عِنْدَ الْمُسْكِنَةِ، وَ لَا تَفْتِنِّي

خداوند! مجھے ایسا قرار دے کہ ضرورت کے وقت تیرے ذریعہ حملہ کروں، حاجت کے وقت تجھ سے سوال کروں، اور فقر و احتیاج کے موقع پر تیرے سامنے گڑگڑاؤں، اور اس طرح

بِالِاسْتِعَانَةِ بِغَيْرِكَ إِذَا اضْطُرَرْتُ، وَ لَا بِالْخُضُوعِ لِسُؤَالِ غَيْرِكَ إِذَا افْتَقَرْتُ، وَ لَا بِالْتَضَرُّعِ إِلَى مَنْ دُونِكَ إِذَا رَهَبْتُ، فَاسْتَحِقَّ بِذَلِكَ خِذْلَانِكَ وَ مَنَعَكَ وَ اعْرَاضَكَ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ.

مجھے نہ آزمانا کہ اضطرار میں تیرے غیر سے مدد مانگوں، اور فقر و ناداری کے وقت تیرے غیر کے آگے عاجزانہ درخواست کروں، اور خوف کے موقع پر تیرے سوا کسی دوسرے کے سامنے گڑگڑاؤں کہ تیری طرف سے محرومی، ناکامی اور بے اعتنائی کا مستحق قرار پاؤں، اے تمام رحم کرنے والوں میں سے سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔

اللَّهُمَّ اجْعَلْ مَا يُلْقَى الشَّيْطَانُ فِي رُوعِي، مِنَ التَّمَنِّيِّ وَ التَّطَنِّيِّ وَ الْحَسَدِ، ذِكْرًا لِعَظَمَتِكَ، وَ تَفَكُّرًا فِي قُدْرَتِكَ، وَ تَذَبُّبًا عَلَى عَدْوِكَ، وَ مَا أَجْرِي عَلَى لِسَانِي مِنْ لَفْظَةٍ فُحْشٍ أَوْ هُجْرٍ، أَوْ شَتْمٍ عَرِضٍ، أَوْ شَهَادَةٍ بَاطِلٍ أَوْ اغْتِيَابٍ مُؤْمِنٍ غَائِبٍ، أَوْ سَبِّ حَاضِرٍ، وَ مَا أَشْبَهَ ذَلِكَ نُطْقًا بِالْحَمْدِ لَكَ، وَ اعْرَاقًا فِي الثَّنَاءِ عَلَيْكَ، وَ ذَهَابًا فِي تَبْجِيدِكَ، وَ شُكْرًا لِنِعْمَتِكَ، وَ اعْتِرَافًا

خدا یا! جو حرص، بدگمانی اور حسد کے جذبات شیطان میرے دل میں پیدا کرے انہیں اپنی عظمت کی یاد، اپنی قدرت میں تفکر اور دشمن کے مقابلہ میں تدبیر و چارہ سازی کے تصورات سے بدل دے، اور فحش کلامی، یا بے ہودہ گوئی، یا دشنام طرازی، یا جھوٹی گواہی، یا غائب مومن کی غیبت، یا موجود سے بد زبانی، اور اس قبیل کی جو باتیں میری زبان پر لانا چاہے، انہیں اپنی حمد سرائی، مدح میں کوشش و انہماک، تمجید و بزرگی کے بیان، شکر نعمت و اعتراف احسان اور اپنی نعمتوں کے

بِإِحْسَانِكَ، وَإِحْصَاءِ لِبَيْنِكَ. شمار سے تبدیل کر دے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ، وَ لَا أُظْلِمَنَّ وَ أَنْتَ مُطِيقٌ لِلدَّفْعِ عَنِّي، وَ لَا أُظْلِمَنَّ وَ أَنْتَ الْقَادِرُ عَلَى الْقَبْضِ مِنِّي، وَ لَا أَضِلَّنَّ وَ قَدْ أَمَكَّنْتَنِي هِدَايَتِي، وَ لَا أَفْتَقِرَنَّ وَ مِنْ عِنْدِكَ وَ سُعْيِي، وَ لَا أَطْغَيْنَنَّ وَ مِنْ عِنْدِكَ وَ جُدِّي.

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھ پر ظلم نہ ہونے پائے جبکہ تو اس کے دفع کرنے پر قادر ہے، اور کسی پر ظلم نہ کروں جبکہ تو مجھے ظلم سے روک دینے کی طاقت رکھتا ہے، اور گمراہ نہ ہو جاؤں جبکہ میری راہنمائی تیرے لئے آسان ہے، اور محتاج نہ ہوں جبکہ میری فارغ البالی تیری طرف سے ہے، اور سرکش نہ ہو جاؤں جبکہ میری خوشحالی تیری جانب سے ہے۔

اللَّهُمَّ إِلَى مَغْفِرَتِكَ وَ فَدَّتْ، وَ إِلَى عَفْوِكَ قَصَدْتُ، وَ إِلَى تَجَاوُزِكَ اِسْتَقْتُّ، وَ بِفَضْلِكَ وَ ثِقَتِي، وَ لَيْسَ عِنْدِي مَا يُوجِبُ لِي مَغْفِرَتِكَ، وَ لَا فِي عَمَلِي مَا اسْتَحِقُّ بِهِ عَفْوِكَ، وَ مَا لِي بَعْدَ أَنْ حَكَمْتُ عَلَى نَفْسِي إِلَّا فَضْلُكَ، فَصَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ، وَ تَفَضَّلْ عَلَيَّ.

بارالہا! میں تیری مغفرت کی جانب آیا ہوں، اور تیری معافی کا طلبگار اور تیری بخشش کا مشتاق ہوں، میں صرف تیرے فضل پر بھروسہ رکھتا ہوں، اور میرے پاس کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو میرے لئے مغفرت کا باعث بن سکے، اور نہ میرے عمل میں کچھ ہے کہ تیرے عفو کا سزاوار قرار پاؤں، اور اب اس کے بعد کہ میں خود ہی اپنے خلاف فیصلہ کر چکا ہوں تیرے فضل کے سوا میرا سرمایہ امید کیا ہو سکتا ہے؟ لہذا محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل کر اور مجھ پر تفضل فرما۔

اللَّهُمَّ وَ انْطِقْنِي بِالْهُدَى، خدایا! مجھے ہدایت کے ساتھ گویا کر،
وَ الْهِنْيِ التَّقْوَى، وَ وَفَّقْنِي میرے دل میں تقویٰ و پرہیزگاری کا القاء فرما،
لَلَّتِي هِيَ اَزْكٰى، وَ اسْتَعْمِلْنِي پاكيزہ عمل كى توفيق دے، پسندیدہ كام ميں
بِسَاهُوْاَرْضِيْ. مشغول ركھ۔

اللَّهُمَّ اسْلِكْ بِي الطَّرِيقَةَ الْمُسْتَقِيمَةَ، خدایا! مجھے بہترین راستہ پر چلا اور ایسا
وَ اجْعَلْنِي عَلَى مِلَّتِكَ کر کہ تیرے دین و آئین پر مروں اور
اَمْوَتٌ وَاَحْيَا. اسی پر زندہ رہوں۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ، اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت
وَ مَتَّعْنِي بِالْاِقْتِصَادِ، وَ اجْعَلْنِي نازل فرما اور مجھے (گفتار و کردار میں)
مِنْ اَهْلِ السَّدَادِ، وَ مِنْ اَدِلَّةِ میانہ روی سے بہرہ مند فرما، اور درست کاروں
الرِّشَادِ، وَ مِنْ صَالِحِ الْعِبَادِ، اور ہدایت کے رہنماؤں اور نیک بندوں میں
وَ ارْزُقْنِي فَوْزَ الْبَعَادِ، سے قرار دے، اور آخرت کی کامیابی اور
وَ سَلَامَةَ الْبِرِّصَادِ. جہنم سے سلامتی عطا کر۔

اللَّهُمَّ خُذْ لِنَفْسِكَ خدایا! میرے نفس کا ایک حصہ اپنی (ابتلا و
مِنْ نَفْسِي مَا يُخْلِصُهَا، آزمائش کیلئے) مخصوص کر دے تاکہ اسے
وَ اَبْقِ لِنَفْسِي مِنْ (عذاب سے) رہائی دلا سکے، اور ایک حصہ کہ
نَفْسِي مَا يُصْلِحُهَا، جس سے اسکی (دنیوی) اصلاح و درستی وابستہ
فَاِنَّ نَفْسِي هَالِكَةٌ ہے، میرے لئے رہنے دے، کیونکہ میرا نفس تو
اَوْ تَعْصَمَهَا. ہلاک ہوئی والا ہے مگر یہ کہ تو اسے بچالے جائے۔

اے اللہ! اگر میں غمگین ہوں تو میرا ساز و
 سامان (تسکین) تو ہے، اور اگر (ہر جگہ سے)
 محروم رہوں تو میری امید گاہ تو ہے، اور اگر مجھ پر
 غموں کا ہجوم ہو تو تجھ ہی سے داد فریاد ہے، جو چیز
 جا چکی اس کا عوض اور جو شے تباہ ہو گئی اس کی
 درستی اور جسے تو ناپسند کرے اسکی تبدیلی تیرے
 ہاتھ میں ہے، لہذا بلا کے نازل ہونے سے پہلے
 عافیت، مانگنے سے پہلے خوشحالی اور گمراہی سے
 پہلے ہدایت سے مجھ پر احسان فرما، اور لوگوں کی
 سخت و درشت باتوں کے رنج سے محفوظ رکھ، اور
 قیامت کے دن امن و اطمینان عطا فرما، اور حسن
 ہدایت و ارشاد کی توفیق مرحمت فرما۔

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل
 فرما اور اپنے لطف سے (برائیوں کو) مجھ سے دور
 کر دے، اور اپنی نعمت سے میری پرورش اور
 اپنے کرم سے میری اصلاح فرما اور اپنے فضل و
 احسان سے (جسمانی و نفسانی امراض سے) میرا مداوا
 کر، مجھے اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ دے اور
 اپنی رضامندی میں ڈھانپ لے، اور جب امور
 مشتبہ ہو جائیں تو جو ان میں زیادہ قرین صواب
 و اہلہ، و اذراً عتییٰ بطیفک،
 و اغذنیٰ بنعبتک،
 و اصبحنیٰ بکرمک،
 و داوینیٰ بصنعک،
 و اظلنیٰ فی ذراک،
 و جللنیٰ رضاک،
 و وفقیٰ اذا اشتکت

عَلَى الْأُمُورِ لِأَهْدَاهَا، هُوَ، اور جب اعمال میں اشتباہ واقع ہو جائے تو جو
وَ إِذَا تَشَابَهَتْ الْأَعْمَالُ اُن میں پاکیزہ تر ہو، اور جب مذاہب میں
لِإِزْكَاهَا، وَ إِذَا تَنَاقَضَتْ اختلاف پڑ جائے تو جو اُن میں پسندیدہ تر ہو،
السُّلْكِ لِإِرْضَاهَا. اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرما۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت
وَ آلِهِ، وَ تَوَجَّئِ بِالْكَفَايَةِ، نازل فرما اور مجھے بے نیازی کا تاج پہنا، اور
وَ سُنِّي حُسْنِ الْوِلَايَةِ، متعلقہ کاموں کو احسن طریق سے انجام دینے
وَ هَبْ لِي صِدْقَ الْهِدَايَةِ، پر مامور فرما، اور ایسی ہدایت سے سرفراز فرما جو
وَ لَا تَفْتِنِّي بِالسَّعَةِ، دوام و ثبات لئے ہوئے ہو، اور غنا و خوشحالی سے
وَ اَمْنَحْنِي حُسْنَ الدَّعَةِ، مجھے بے راہ نہ ہونے دے، اور آسودگی و
وَ لَا تَجْعَلْ عَيْشِي كَدًّا كَدًّا، آسائش عطا فرما، اور زندگی کو سخت دشوار نہ بنا
وَ لَا تَرُدَّ دُعَائِي عَلَى رَدًّا، دے، میری دعا کو رد نہ کر، کیونکہ میں کسی کو تیرا
فَإِنِّي لَا أَجْعَلُ لَكَ ضِدًّا، وَ لَا أَدْعُو مَعَكَ نِدًّا. مد مقابل نہیں قرار دیتا، اور نہ تیرے ساتھ کسی کو
تیرا ہمسر سمجھتے ہوئے پکارتا ہوں۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ، اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت
وَ اَمْنَعْنِي مِنَ السَّرْفِ، نازل فرما اور مجھے فضول خرچی سے باز رکھ، اور
وَ حَصِّنْ رِزْقِي مِنَ التَّلْفِ، میری روزی کو تباہ ہونے سے بچا، اور میرے
وَ وَفِّرْ مَلَكَتِي بِالْبَرَكَاتِ فِيهِ، مال میں برکت دے کر اس میں اضافہ کر، اور
وَ اصْبِ بِي سَبِيلَ الْهِدَايَةِ لِلدَّبْرِ، مجھے اس میں سے امور خیر میں خرچ کرنے کی
فِيهَا أَنْفِقُ مِنْهُ. وجہ سے راہ حق و صواب تک پہنچا۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ، وَ اَكْفِنِي مَعُونَةَ الْاِكْتِسَابِ، وَ اِرْزُقْنِي مِنْ غَيْرِ اِحْتِسَابٍ، فَلَا اَشْتَغِلُ عَنْ عِبَادَتِكَ بِالطَّلَبِ، وَ لَا اَحْتَمِلُ اِصْرَ تَبِعَاتِ الْمَكْسَبِ.

بارالہا! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے کسب معیشت کے رنج و غم سے بے نیاز کر دے، اور بے حساب روزی عطا فرما، تاکہ تلاشِ معاش میں الجھ کر تیری عبادت سے روگرداں نہ ہو جاؤں اور (غلط و نامشروع) کار و کسب کا خمیازہ نہ بھگتوں۔

اللَّهُمَّ فَأَطْلِبْنِي بِقُدْرَتِكَ مَا أَطْلُبُ، وَ اَجْرُنِي بِعِزَّتِكَ مِمَّا خَافَ هَوْنُ عِزَّتِكَ مِنْ اِسْتِغْنَائِي عَنْ رِزْقِكَ.

اے اللہ! میں جو کچھ طلب کرتا ہوں اسے اپنی قدرت سے مہیا کر دے، اور جس چیز سے خائف ہوں اس سے اپنی عزت و جلال کے ذریعہ پناہ دے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ، وَ اَكْفِنِي مَعُونَةَ الْاِكْتِسَابِ، وَ اِرْزُقْنِي مِنْ غَيْرِ اِحْتِسَابٍ، فَلَا اَشْتَغِلُ عَنْ عِبَادَتِكَ بِالطَّلَبِ، وَ لَا اَحْتَمِلُ اِصْرَ تَبِعَاتِ الْمَكْسَبِ.

خدایا! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما میری آبرو کو غنا و تو نگری کے ساتھ محفوظ رکھ، اور فقر و تنگ دستی سے میری منزلت کو نظروں سے نہ گرا کہ تجھ سے رزق پانے والوں سے رزق مانگنے لگوں، اور تیرے پست بندوں کی نگاہِ لطف و کرم کو اپنی طرف موڑنے کی تمنا کروں، اور جو مجھے دے اس کی مدح و ثنا اور جو نہ دے اس کی برائی کرنے میں مبتلا ہو جاؤں اور تو ہی عطا کرنے اور روک لینے کا اختیار رکھتا ہے نہ کہ وہ۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت
وَّ اِلَيْهِ، وَ اِزْدُقْنِي صِحَّةً نازل فرما اور مجھے ایسی صحت دے جو عبادت
فِي عِبَادَةٍ، وَ فَرَاحًا فِي میں کام آئے، اور ایسی فرصت جو دنیا سے
زَهَادَةٍ، وَ عِلْمًا فِي بے تعلقی میں صرف ہو، اور ایسا علم جو عمل کے
اِسْتِعْمَالٍ، وَ وَرَعًا فِي ساتھ ہو، اور ایسی پرہیزگاری جو حد اعتدال میں
اِجْمَالٍ۔ (کہ سو اس میں مبتلا نہ ہو جاؤں)۔

اللَّهُمَّ اخْتِم بِعَفْوِكَ اَجَلِي، اے اللہ! میری مدت حیات کو اپنے عفو و
وَ حَقِّقْ فِي رَجَاءِ رَحْمَتِكَ اَمَلِي، درگزر کے ساتھ ختم کر، اور میری آرزو کو رحمت
وَ سَهِّلْ اِلَى بُلُوغِ رِضَاكَ سُبُلِي، کی امید میں کامیاب فرما، اور اپنی خوشنودی
وَ حَسِّنْ فِي جَمِيعِ اَحْوَالِي تک پہنچنے کیلئے راہ آسان کر، اور ہر حالت میں
عَمَلِي۔ میرے عمل کو بہتر قرار دے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت
وَّ اِلَيْهِ، وَ تَبَهِّئْ لِيذِكْرِكَ نازل فرما اور مجھے غفلت کے لمحات میں اپنے
فِي اَوْقَاتِ الْغَفْلَةِ، وَ اِسْتَعْمَلْنِي ذکر کیلئے ہوشیار کر، اور مہلت کے دنوں میں
بِطَاعَتِكَ فِي اَيَّامِ الْمُهِلَّةِ، اپنی اطاعت میں مصروف رکھ، اور اپنی محبت کی
وَ اَنْهَجْ لِي اِلَى مَحَبَّتِكَ سَبِيلًا سہل و آسان راہ میرے لئے کھول دے، اور
سَهْلَةً، اَكْمِلْ لِي بِهَا خَيْرَ الدُّنْيَا اس کے ذریعہ میرے لئے دنیا و آخرت کی
وَ الْاٰخِرَةِ۔ بھلائی کو کامل کر دے۔

اللَّهُمَّ وَ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ اے اللہ! محمدؐ اور ان کی اولادؑ پر بہترین
وَّ اِلَيْهِ، كَاَفْضَلِ مَا صَلَّيْتَ رحمت نازل فرما، ایسی رحمت جو اس سے پہلے تو

عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ قَبْلَهُ، نَزَلَتْ فِيهِ آيَاتٌ مِّنْ قَبْلِهِ،
وَأَنْتَ مُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ بَعْدَهُ، وَأَنْتَ مُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ بَعْدَهُ،
وَأَتْنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي
الْآخِرَةِ حَسَنَةً، وَقِنِي بِرَحْمَتِكَ
عَذَابَ النَّارِ.
عذاب سے محفوظ رکھ۔

--☆☆--

--☆☆--



شرح وحاشیہ دُعائے مکارم الاخلاق

از: علامہ جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ

بادی النظر میں نیکی و بدی میں امتیاز نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ نیک و بد اعمال ظاہری صورت کے لحاظ سے یکساں ہوتے ہیں اور ان میں کوئی امتیازی فرق نظر نہیں آتا۔ چنانچہ زن و مرد کے تعلقات وہ جائز ذریعہ سے ہوں یا ناجائز طریقہ سے دونوں ایک سے ہیں۔ اسی طرح دروغِ مصلحت آمیز و دروغِ بے مصلحت، اکلِ حلال اور اکلِ حرام، قتلِ بے گناہ اور قتلِ خطا کار، ان میں بظاہر کوئی فرق نہیں ہے۔ وہاں بھی ایک خلاف واقع چیز کا بیان کرنا ہے اور یہاں بھی، وہاں بھی پیٹ بھرنا ہے اور یہاں بھی، وہاں بھی انسانی جان سے کھیلنا ہے اور یہاں بھی۔ یونہی متکبر کے مقابلہ میں تکبر کرنے اور عام طور سے اترانے اور ماہِ رمضان میں دن کے وقت کھانے پینے اور دوسرے دنوں میں کھانے پینے میں فعل کی نوعیت یکساں ہے۔ تو اس یکسانیت کے باوجود ایک کو اچھائی اور ایک کو برائی، اور ایک کو کارِ ثواب اور دوسرے کو گناہ سے تعبیر کرنے کی کیا وجہ اور دونوں میں تفریق کرنے کی کیا ضرورت؟۔

اگرچہ حدود و قیود سے آزاد نکا ہیں ان میں تفرقہ نہیں کر سکتیں، مگر جو لوگ کسی آئین و شریعت اور ضابطہٴ اخلاق کے پابند ہوتے ہیں وہ ان کی ظاہری ہیئت و صورت اور یکسانیت و یک رنگی پر نظر نہیں کرتے۔ بلکہ ان دونوں کے درمیان جو حدِ فاصل حاصل ہے اس پر نظر کرتے ہوئے دونوں کو بالکل جدا جدا تصور کرتے ہیں اور اسی حدِ فاصل سے خیر و شر کی حدیں قائم ہوتیں اور عیوب و محاسن کے پیمانے مقرر ہوتے ہیں اور یہ حدِ فاصل اسی وقت نظر آتی ہے جب ایمان کے ساتھ تقویٰ اپنا نورانی پرتو ڈالتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا﴾

اے ایماندارو! اگر تم تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے
(نیک و بد میں) ایک حد فاصل قرار دے گا۔ ۱

اگر اس حد فاصل کو نظر انداز کر کے اخلاقِ فاضلہ اور اوصافِ رذیلہ کا معیار عوامی عقل کو قرار دے لیا جائے تو اگرچہ وہ ایک حد تک اخلاقی اصولوں کی طرف راہنمائی کرتی ہے، مگر اخلاق کا عملی لائحہ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ چنانچہ جنہوں نے عقل پر اخلاق کی بنیاد رکھی، وہ یہ نہیں کہتے کہ راست گفتاری و عدل گستری معیوب اور سخاوت و شجاعت بری چیز ہے اور اس کے مقابلہ میں کذب و ظلم اور بخل و بزدلی اچھی صفتیں ہیں، مگر ان کے حدود اور مواقع استعمال کیا ہیں تو اس میں ان کی رائیں مختلف نظر آتی ہیں اور ایک، ایک راہ پر چلتا ہے تو دوسرا اس سے بالکل الگ راستہ اختیار کرتا ہے۔ کیونکہ مختلف عقول و افہام کے قائم کردہ نظریات کسی ایک مرکزی نقطہ پر مجتمع نہیں ہو سکتے۔

ایسی صورت میں ان کی پیروی کرنے میں قدم قدم پر رکاوٹیں پیدا ہوں گی اور مختلف نظریات میں سے صحیح نظریہ کا انتخاب مشکل ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ عقل کا دائرہ عمل محدود ہے اور وہ دنیا کے محسوسات سے الگ ہو کر کسی قسم کا کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتی اور قدم قدم پر حواس کا سہارا ڈھونڈنے پر مجبور ہو جاتی ہے اور اس کے مقابلہ میں خواہشات و جذبات بھی پراجمائے ہوئے ہیں جو اسے سپر انداختہ ہونے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ چنانچہ جب انسان میں خواہشات و جذبات ابھرتے ہیں تو وہ عقل کے مقابلہ میں ان سے جلد مغلوب ہو جاتا ہے اور عقل کے صریح احکام کو ٹھکرا کر ہوائے نفسانی کے پیچھے ہو لیتا ہے۔ لہذا تنہا عقل نہ کسی صورت میں کافی ہو سکتی ہے اور نہ ہر جگہ اسے معیار قرار دیا جاسکتا ہے۔ اور اس کی روشنی میں اجتماعی زندگی کا نصب العین تو درکنار انفرادی زندگی کا بھی کوئی یقینی، صحیح اور ناقابل ترمیم آئین اخلاق ترتیب نہیں دیا جاسکتا۔

ان حالات میں ایک ایسے معیار کی ضرورت سے انکار نہیں ہو سکتا جو عقل کی درماندگیوں میں

رہنمائی کر سکے اور ایک ایسا ناقابلِ تغیر آئین پیش کرے جو حیاتِ انسانی کے ہر دور میں قابلِ عمل ہو۔ اور وہ معیارِ وحی و تنزیل ہے جس کی روشنی میں ترتیب دیا ہوا آئین وہ ہے جس کے اصول منضبط اور ضوابط ناقابلِ ترمیم ہیں اور جسے حاملانِ نبوت و رسالت ہر دور میں پیش کرتے رہے اور اس کے ذریعہ تہذیبِ نفس و تزکیہٴ اخلاق کا درس دیتے رہے ہیں۔

ان معلمینِ اخلاق میں سب سے بلند مرتبت حضرت ختمی مرتبت ﷺ ہیں جنہوں نے زیورِ اخلاق سے آراستہ کرنے اور انسانیت کی زلفِ پریشان کو سنوارنے کیلئے وہ تعلیمات دیئے جو محاسنِ اخلاق کا سرچشمہ ہیں۔ یہ تعلیمات صرف قول تک محدود نہ تھے بلکہ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ پاکیزگی سیرت کا ایک ضابطہ اور حسنِ اخلاق کا ایک زندہ قانون تھا۔ اور آنحضرت ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی یہ تھا کہ وہ علماء و عملاً اخلاقِ حسنہ کی تکمیل فرمائیں۔ چنانچہ ارشادِ نبویؐ ہے کہ:

بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ.

میں اس لئے مبعوث ہوا ہوں تاکہ مکارمِ الاخلاق کو پایہ تکمیل تک پہنچاؤں۔^۱

اور ان اخلاقی تعلیمات کو زندہ رکھنے کیلئے ان کے اوصیاء و نائبین جو سیرت و کردار اور اخلاق و اطوار میں ان کے ورثہ دار اور علم و عمل میں ان کے آئینہ دار تھے ان تعلیمات کو نشر کرتے اور اپنے قول و عمل سے ان کا احیاء کرتے رہے۔ چنانچہ ان کے چوتھے وصی و جانشین حضرت زین العابدین علیہ السلام نے اس دُعائے مکارمِ الاخلاق میں اخلاقیات کے وہ درس دیئے ہیں جو اخلاقِ نبویؐ کے آئینہ دار اور الہامی تعلیمات کے حامل ہیں اور ان تمام جواہر پاروں کو سمیٹ لیا ہے جو تحلیٰ بالفضائل (علمی و عملی اوصاف سے آراستگی) اور تحلیٰ عن الرذائل (فنیج و پست عادات سے علیحدگی) پر مشتمل ہیں۔ ان دونوں جہوں میں سے اگر ایک جنبہ کمزور ہے تو اس سے دوسرے جنبہ کا متاثر ہونا بھی ضروری ہے۔ اس لئے اخلاقی تکمیل کیلئے ان ایجابی و سلبی دونوں پہلوؤں کو ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔

^۱ مجموعہ ورام، ج ۱، ص ۸۹۔

ایجابی صفات:

وہ ایجابی صفات جو اس دُعا میں بیان ہوئے ہیں یہ ہیں:

ایمان:

یہ تمام محاسن اخلاق کا سرچشمہ ہے، اس لئے اسے سرفہرست جگہ دی ہے۔ ”ایمان“ کے معنی تصدیق کے ہیں اور کبھی تصدیق و عمل دونوں کے مجموعہ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس کے متعدد درجات ہیں اور اہل ایمان کے مراتب و درجات میں جو تفاوت ہوتا ہے وہ ایمان ہی کے درجات کے بلند و پست ہونے کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ زبیری کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے کہا کہ: **إِنَّ لِلْإِيْمَانِ دَرَجَاتٍ وَ مَنَازِلَ يَتَفَاصَلُ الْمُؤْمِنُونَ فِيهَا عِنْدَ اللَّهِ؟** ایمان کے مختلف درجے اور مرتبے ہیں جن کے اعتبار سے ایمان لانے والے اللہ کے نزدیک ایک ایک دوسرے سے فضیلت لے جاتے ہیں؟ **قَالَ نَعَمْ:** حضرت نے فرمایا کہ: ”ہاں ایسا ہی ہے“۔^۱

* چنانچہ پہلا درجہ یہ ہے کہ صرف زبان سے اللہ کی اُلُوہیت اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کیا جائے اور بس۔ یہ ایمان اسلام کا مرادف ہے۔ جب انسان یہ اقرار کر لیتا ہے تو وہ ”مسلم“ کہلانے لگتا ہے اور اس کا ذبیحہ حلال اور جان و مال محفوظ ہو جاتا ہے۔

* دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ زبان سے اقرار کیا جائے اور دل سے اعتقاد بھی رکھا جائے، مگر اسلام کے تعلیمات اور اس کے اوامر و نواہی پر عمل نہ کیا جائے۔

* تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ اس اقرار و اعتقاد کے ساتھ کبیرہ گناہوں سے بچا جائے اور ان فرائض کو پورا کیا جائے جنہیں ترک کرنا کبائر میں داخل ہے۔ جیسے نماز، زکوٰۃ، حج وغیرہ۔ یہ واضح رہے کہ احادیث میں جو نماز و حج و زکوٰۃ کے تارک کو کہا گیا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اس مرتبہ ایمان سے خارج ہو گیا ہے، یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ تمام مراتب ایمان سے خارج ہو گیا ہے کہ اب اُس پر کفر کے احکام عائد ہونے لگیں۔

^۱ الکافی، ج ۲، ص ۴۰۔

* چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ اقرار و اعتقاد کے ساتھ تمام واجبات بھی بجالائے جائیں اور تمام محرمات سے اجتناب بھی کیا جائے۔

* پانچواں مرتبہ یہ ہے کہ واجبات کے ساتھ مستحبات بھی ادا کئے جائیں اور محرمات کے ساتھ مکروہات سے بھی پرہیز کیا جائے۔

* چھٹا مرتبہ یہ ہے کہ بعض مباحات کو بھی اس خیال سے چھوڑ دیا جائے کہ مبادا یہ کسی بُرائی کا پیش خیمہ بن جائیں اور کوئی غلط قدم اٹھ جائے۔ جیسے زیادہ باتیں کرنے سے اس لئے اجتناب کیا جائے کہ زبان سے کوئی ناشائستہ کلمہ یا جھوٹی بات نہ نکل جائے، یا کسی کی غیبت و بدگویی نہ ہو جائے۔ یہ انبیاء و اوصیاء علیہم السلام کے ایمان کا درجہ ہے اور اسی درجہ کو امام علیؑ نے ”اکمل الایمان“ سے تعبیر کیا ہے۔

”ایمان“ صرف عقلمانی ہی کا سرمایہ نہیں ہے، بلکہ دنیا میں بھی انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کی فلاح و بہبود اس سے وابستہ ہے۔ چنانچہ جب انسان کے دل و دماغ میں ایک بالادست ہستی کا تصور پیدا ہوتا اور خُدا پرستی کا جذبہ ابھرتا ہے تو اُسے کچھ ذمہ داریوں کا احساس ہوتا ہے جس کے پیش نظر وہ چوری، رشوت، خیانت، ظلم اور اس قسم کے دوسرے اخلاقی عیوب سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اور خود غرضی و مفاد پرستی کی سطح سے بلند ہو کر سیرت و کردار کے وہ اعلیٰ نمونے پیش کرتا ہے جس سے اجتماعی زندگی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی اور بڑی حد تک معاشرے کی بے اعتدالیاں کم ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ حکومت کا قانون اور اس کا احتساب ایک حد تک ان مفاسد کی روک تھام کرتا ہے، مگر قانون کا خوف انسان کے باطن میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کر سکتا۔ اور اقتدار اُسی حد تک حفاظت کر سکتا ہے جہاں تک اس کا دسترس ہے۔ وہ بازاروں، کوچوں، عام گزرگاہوں اور مفاسد کے مرکزوں سے برائیوں کو دور کر سکتا ہے، مگر گھر کے گوشوں اور رات کے اندھیروں میں اُس کا بس نہیں چلتا اور برائی کا چلن بدستور باقی رہتا ہے۔ اس موقع پر خدا کا خوف ہی قلب و روح کو متاثر کر سکتا اور برائیوں سے مانع ہو سکتا ہے۔ حکومت کے کارندے کبھی نظروں سے اوجھل بھی ہو جاتے ہیں اور کبھی ان کی بے راہ روی کی وجہ

سے خود اُن پر نگران چھوڑنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ مگر اخلاقی وجدان جو ایمان کی بدولت طاقتور ہوتا ہے ہر دم نگرانی و حفاظت کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ خواہ دن کا اُجالا ہو یا رات کا اندھیرا، خلوت ہو یا جلوت، آبادی ہو یا ویرانہ۔

یقین:

کسی چیز کا علم اس طرح ہو جائے کہ اس کے خلاف کوئی احتمال نہ رہے ”یقین“ کہلاتا ہے۔ اس لحاظ سے یقین دو علموں کا مجموعہ ہوگا: ایک معلوم کا علم اور دوسرے اس کے خلاف کے محال ہونے کا علم۔ اور یہ ایمان ہی کا دوسرا نام ہے۔ چنانچہ پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

الْيَقِينُ الْإِيمَانُ كُلُّهُ.

یقین ہی ایمانِ کامل ہے۔^۱

اس یقین کے تین درجے ہیں:

* پہلا درجہ یہ ہے کہ دھوئیں کو دیکھ کر آگ کی موجودگی کا علم حاصل ہو۔ یہ اہل نظر و استدلال کا یقین ہے۔ جو انہیں ترتیب مقدمات سے حاصل ہوتا ہے، یہ ”علم الیقین“ کہلاتا ہے۔

* دوسرا درجہ یہ ہے کہ اُس آگ کو آنکھ سے دیکھ لیا جائے۔ یہ خواص کو چشم بصیرت و دیدہ باطن کے مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ ذعلب یمانی نے امیر المؤمنین علیؑ سے دریافت کیا کہ: ”هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ؟“ کیا آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ فرمایا: «لَمْ أَعْبُدْ رَبًّا لَمْ أَرَهُ»^۲: ”میں اُس رب کی پرستش نہیں کرتا جس کی جلوہ طرازی میری آنکھوں کے سامنے نہ ہو“۔ یہ ”عین الیقین“ کہلاتا ہے۔

* تیسرا درجہ یہ ہے کہ آگ کے شعلوں میں کو دیکھ کر آگ کا علم حاصل ہو، یہ اہل شہود کا یقین ہے جو انہیں مبدأ فیض سے اتصال معنوی کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ یہ ”حق الیقین“ کہلاتا ہے۔

^۱ مجموعہ ورام، ج ۱، ص ۴۰۔

^۲ تفسیر الصافی، ج ۲، ص ۲۳۶۔

امام علیؑ نے اسی یقین کو ”فضل الیقین“ فرمایا ہے اور اسی مرتبہ عالیہ پر فائز ہونے کی اللہ تعالیٰ سے التجا کی ہے۔

نیت:

کسی عمل کی انجام دہی کے قصد و ارادہ کا نام ”نیت“ ہے۔ اور یہ علم و عمل کے درمیان ایک واسطہ ہے جو ایک طرف علم سے وابستہ ہے اور دوسری طرف عمل سے۔ کیونکہ علم نہ ہو تو قصد نہیں ہو سکتا اور قصد نہ ہو تو عمل واقع نہیں ہو سکتا۔ اور قوائے عمل کے استعمال کے موقع پر یہ ایک ناگزیر اور طبعی چیز ہے۔ چنانچہ شارع کی طرف سے اگر بغیر نیت کے اعمال و عبادات کے بجالانے کا حکم ہوتا تو اس سے کوئی بھی عہدہ برآ نہ ہو سکتا۔ اس سے یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ نیت ان الفاظ کا نام نہیں ہے جو کسی عمل کے بجالانے کے وقت زبان سے کہے جاتے ہیں۔ کیونکہ نیت کا تعلق دل سے ہوتا ہے اور الفاظ کا تعلق زبان سے۔ اس لئے زبان کے الفاظ کے بجائے دل کے قصد و ارادہ کو نیت تصور کرنا چاہیے۔

اس نیت کے مختلف درجات ہیں جن کے لحاظ سے اعمال میں رفعت یا پستی پیدا ہوتی ہے۔ اگر نیت میں صدق و خلوص ہے تو عمل بلند اور اگر ریاء و نمود ہے تو عمل فاسد۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: «إِنَّهَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ»: ”نیت پر عمل کا انحصار ہے“۔^۱

ان درجات میں سے:

☆ پہلا درجہ یہ ہے کہ اس میں ریاء و نمود کا رفرما ہو۔ اس نیت کے ماتحت جو عمل واقع ہوگا اس پر ثواب کا مرتب ہونا تو درکنار گناہ عائد ہوگا۔ عبادات میں جو ریاء کا رفرما ہوتا ہے اس کی تین قسمیں ہیں: پہلی قسم یہ ہے کہ نفس عبادت میں تو ریاء نہ ہو لیکن اس کے دوسرے اوصاف میں نمائش مقصود ہو۔ اس طرح کہ گھر پر نماز پڑھی جائے تو مختصر اور گھر سے باہر دوسروں کے سامنے پڑھی جائے تو طویل۔ دوسری قسم یہ ہے کہ مستحب عبادتوں میں ریاء کرے اس طرح کہ گھر میں یا تنہائی میں تو نوافل بجانہ لائے مگر کہیں دوسری جگہ ہو تو نوافل بھی پڑھے اور نماز شب بھی بجالائے۔ اور تیسری قسم یہ ہے

^۱ مصباح الشریعہ، ص ۵۳۔

کہ واجب عبادتوں میں ریا کرے۔ اس طرح کہ گھر میں تو نہ نماز پڑھے اور نہ روزہ رکھے اور جب دکھلاوے کا موقع ہو تو نماز بھی پڑھے اور روزہ بھی رکھے۔ ریا کی یہ صورت سب سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہے۔

☆ نیت کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ جنت کی خواہش اور عذاب سے بچاؤ کیلئے عمل کرے۔ یہ نیت اخلاص کے منافی نہیں ہے، کیونکہ شارع نے خود ترغیب و ترہیب سے کام لیا ہے۔

☆ تیسرا درجہ یہ ہے کہ شکر و سپاس کو ملحوظ رکھتے ہوئے عمل کرے تاکہ اس شکر کے نتیجہ میں اس کی نعمتوں میں اضافہ ہو۔ یہ عمل بھی خلوص کا حامل ہوگا۔ اسی طرح ان عبادات میں جو دنیوی اغراض سے وابستہ ہوتی ہیں ان میں رزق، اولاد وغیرہ کا قصد کرنا صحت و اخلاص کے منافی نہ ہوگا۔

☆ چوتھا درجہ یہ ہے کہ حیا کے احساس سے متاثر ہو کر عبادت کرے۔

☆ پانچواں درجہ یہ ہے کہ خدا کے جلال و جبروت کے اثر سے متاثر ہو کر اعمال بجالائے۔

☆ چھٹا درجہ یہ ہے کہ تعمیل حکم کے لحاظ سے عبادت کرے۔

☆ ساتواں درجہ یہ ہے کہ اُسے عبادت کا اہل و سزاوار سمجھتے ہوئے اس کے آگے سر نیا زخم کرے۔ یہ نیت ان بندوں سے مخصوص ہے جو تقرب کے مدارج عالیہ پر فائز ہوتے ہیں اور اسی کو حضرت نے ”احسن التیات“ سے تعبیر فرمایا ہے۔ کیونکہ اس کے اندر حسن و خوبی اور اظہارِ عبودیت کے علاوہ اور کوئی جذبہ نہیں ہوتا۔ اسی کا ذکر امیر المؤمنین علیہ السلام کے اس ارشاد میں ہے:

مَا عَبَدْتُكَ خَوْفًا مِنْ تَارِكٍ وَلَا طَمَعًا فِي جَنَّتِكَ، وَ لَكِنْ
وَجَدْتُكَ أَهْلًا لِلْعِبَادَةِ فَعَبَدْتُكَ.

میں نے تیری پرستش جہنم کے ڈر سے اور جنت کی طمع سے نہیں کی، بلکہ تجھے عبادت کا سزاوار پایا ہے اس لئے تیری پرستش کی ہے۔^۱

سایہ طوبی و دلجوی حور و لب حوض

بہ هوای سر کوی تو برفت از یادم

عمل:

اسلام نے اگرچہ ”علم“ کو بڑی اہمیت دی ہے، مگر ”عمل“ کی اہمیت بھی ناقابل انکار ہے، بلکہ علم کی اہمیت بھی اسی صورت میں ہے جب اس کے مقتضیات پر عمل کیا جائے اور اگر اس کے تقاضوں کو ٹھکرا دیا جائے تو وہ علم جہل، بلکہ جہل سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ جہالت کبھی معذوری کا سبب قرار پا جاتی ہے مگر علم کے بعد تو کوئی عذر مسموع نہیں ہوتا۔ لہذا علم اسی صورت میں سود مند سمجھا جاسکتا ہے جب اس کے ساتھ عمل بھی ہو۔ اور عمل چونکہ نیت سے وابستہ ہے اس لئے جس مرتبہ پر نیت ہوگی اسی مرتبہ پر عمل ہوگا۔ اگر اس میں نمودور یا ہو تو وہ عمل وبال جان ہے۔ اور اگر صدق و خلوص کا حامل ہو تو وہ اخروی فوز و کامرانی کا پروانہ ہے۔ خداوند عالم عمل کی ظاہری شکل و صورت اور اس کی کیفیت و مقدار کو نہیں دیکھتا، بلکہ اس جذبہ اخلاص کو دیکھتا ہے جس کے ماتحت وہ عمل بجالایا گیا ہو۔ اگر خلوص کے ساتھ کم عبادت ہو تو وہ اس طویل ذکر و ریاضت سے بہتر ہے جس میں خلوص کا فرمانہ ہو۔ ایسے اعمال ہی کو امام علیؑ نے ”حسن الاعمال“ سے یاد کیا ہے اور قدرت نے انہیں اعمالِ صالحہ سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الہی ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ

بِعِبَادَةِ رَبِّهِمْ أَحَدًا﴾

جو شخص لقائے پروردگار کی آرزو رکھتا ہے اسے عمل صالح بجالانا چاہئے اور

اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا چاہئے۔

عدل:

افراط و تفریط کی دو مختلف سمتوں کے درمیان حد و وسط کا نام ”عدل“ ہے۔ اس حد و وسط کے التزام سے ”فضائل“ اور اس سے انحراف کے نتیجے میں ”رذائل“ وجود میں آتے ہیں۔ چنانچہ اخلاق کے بنیادی عناصر چار ہیں: حکمت، عفت، شجاعت اور عدالت۔

اور ان میں سے ہر عنصر وسط اور نقطہ اعتدال پر واقع ہے اور اگر مرکز اعتدال سے اُسے ہٹا دیا جائے تو ایک دوسری ہی نوعیت کی چیز پیدا ہو جائے گی۔

”حکمت“ میں اگر افراط کی صورت ہو تو وہ خباثت اور چالاک بن جاتی ہے اور تفریط کی صورت ہو تو وہ ناہمی و کند ذہنی ہو جاتی ہے۔

”عفت“ میں اگر افراط ہو تو وہ نمود و بے حسی ہے اور تفریط ہو تو ہوس رانی و شہوت پرستی کہلاتی ہے۔

”شجاعت“ میں اگر افراط ہو تو وہ قہر و تہور ہے اور تفریط ہو تو بزدلی و کم ہمتی کے نام سے پکاری جاتی ہے۔

اور عدالت حد وسط سے انحراف کی صورت میں ظلم یا ذلت و خواری کی شکل اختیار کرے گی۔ اسی طرح دوسرے اخلاقِ فاضلہ میں عدل تووازن ہی باعثِ حُسنِ خوبی ہے۔ چنانچہ ”اقتصاد و میانہ روی“ میں خوبی اسی لئے ہے کہ وہ بخل اور اسراف کے وسط میں ہے۔ اور ”تواضع“ میں حُسنِ اسی لئے ہے کہ وہ نہ غرور کی حد تک پہنچتی ہے اور نہ ذلتِ نفس کی سطح پر آتی ہے۔ غرض ہر فضیلت وہ قول سے متعلق ہو یا عمل سے یا اعتقاد سے، عدل ہی اس کا اصل جو ہر ہے۔ اور چونکہ ہر چیز میں حد وسط سے انحراف کی صورت میں متفرق راہیں پیدا ہو جاتی ہیں اس لئے ضلالت کے راستے متعدد اور ہدایت کا راستہ ایک ہوگا۔

چنانچہ ارشادِ الہی ہے:

﴿وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ
فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ﴾

یہ میرا سیدھا راستہ ہے اس کی پیروی کرو۔ اور دوسرے متعدد راستوں کی پیروی نہ کرو، ورنہ وہ تمہیں حق کی راہ سے منتشر کر دیں گے۔

ذکر و فکر:

”ذکر“ یہ ہے کہ دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ رہے اور ”فکر“ یہ ہے کہ انسان خلقت کائنات و مظاہر فطرت پر نظر غائر ڈال کر صانع کے حسن صنعت کا کرشمہ دیکھے۔ ”ذکر“ سے تزکیہ نفس ہوتا ہے اور غفلت کے پردے چاک ہو جاتے ہیں اور ”فکر“ سے علم و یقین کی روشنی بڑھتی ہے۔ چنانچہ جب وہ تعقل و تفکر سے کام لیتا ہے اور اپنے اندر اور باہر کی کائنات میں غور و فکر کرتا ہے تو اُسے ہر چیز کی نہ میں ایک حکیمانہ تدبیر و فہم کا فرما نظر آتا ہے۔ خود اپنی ذات پر نظر کرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ نطفہ کے ایک حقیر قطرہ سے اس کے وجود کی بنیاد رکھی گئی اور ایک معینہ مدت تک شکمِ مادر میں اس کے نشوونما کے سامان ہوتے رہے اور دُنیا سے ہست و بود میں قدم رکھتے ہی سانس لینے کیلئے ہوا، تنگی بچھانے کیلئے پانی اور گرہنگی دُور کرنے کیلئے ہر طرف رزق کے انبار فراوانی سے موجود۔ اور جسمانی ساخت کا ایسا مستحکم نظام جس میں ذرہ بھر نقص نہیں۔ اس طرح کہ ہڈیوں کے سہارے پر جسم کو کھڑا کیا گیا، اس میں رگوں کا جال اس طرح پھیلا یا گیا کہ از سر تا پا خون کی گردش ہوتی رہے اور ہر عضو کو اس کی ضرورت کے مطابق غذا ملتی رہے۔ اور ہڈیوں کے جوڑ بند اس طرح ملائے کہ اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے میں ذرا کاوٹ نہ ہو اور تمام وظائف خوش اسلوبی سے انجام پاتے رہیں۔ اس منظم کارخانہ اور اس کے نظم و نسق کو دیکھنے کے بعد وہ یہ تسلیم کرنے کیلئے کبھی آمادہ نہ ہوگا کہ یہ بے شعور مادہ کی کار فرمائی اور بعض عناصر کے اتفاقی تصادم کا نتیجہ ہے۔ اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو کائنات میں یکسانیت اور نظم خلقت میں وحدت نظر نہ آتی، جبکہ یہ مسلم ہے کہ اتفاق نہ حدود کا پابند ہوتا ہے نہ قیود کا۔ لہذا یہ نظم و انضباطِ عالم اس کی قوی دلیل ہے کہ دیکھ بھال کرنے والی کوئی مدبر ہستی موجود ہے اور جوں جوں غور و فکر میں ترقی ہوگی، اللہ تعالیٰ کی ہستی کا یقین دل کے ہر رگ و ریشہ میں سرایت کرتا جائے گا اور اس کے رُخ مستور سے شک و ابہام کا پردہ اٹھ جائے گا۔

چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

وَالْعَجَبُ مِنْ مَخْلُوقٍ يَزْعُمُ أَنَّ اللَّهَ يَخْفَى عَلَى عِبَادِهِ وَهُوَ

يَرَىٰ أَثَرَ الصَّنْعِ فِي نَفْسِهِ بِتَرْكِيْبٍ يَّبْهَرُ عَقْلَهُ وَ تَأْلِيْفٍ
يُبْطِلُ حُجَّتَهُ.

تعجب ہے اس پر جو یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں کی نظروں سے اوجھل ہے۔
حالانکہ وہ اپنے اندر اس کی صنعت کے ایسے آثار دیکھتا ہے جن کی ترکیب و ترتیب
اس کی عقل کو حیران اور اس کے خلاف اس کی ہر دلیل کو توڑ دیتی ہے۔ ۱

یونہی کائنات عالم کی طرف نگاہ دوڑاتا ہے تو دیکھتا ہے کہ کس حکمتِ کاملہ سے سورج، چاند اور
ان گنت ستارے ضیا پاشی کا سامان کر رہے ہیں، اور فضا میں ہر طرف ہوائیں پھیلی ہوئی ہیں۔ تاکہ
زمین کے ہر حصہ پر سانس لی جاسکے اور اس کی مہموج لہروں کے ذریعہ شرق و غرب عالم کی آوازوں کو
سمیٹا جائے اور اس فرشِ زمین کو کس طرح انسانی بُود و ماند کے قابل بنایا گیا ہے کہ نہ اتنا سخت کہ چلنے
پھرنے میں تکلیف ہو اور نہ اتنا نرم کہ پیرا ندر دھسنے لگیں۔ اور اجزائے ارضی میں قوت نامیہ و دلیعت کر
کے اُس کی عریانی کو سبزے سے ڈھانپا اور اس کی گود کو پھلوں اور خوش رنگ پھولوں سے بھرا گیا
ہے۔ اور اس کی سیرابی کیلئے بادلوں سے مینہ برسائے گئے اور پہاڑوں سے آبِ شیریں کے چشمے
جاری کئے گئے۔ اور اس کی تہہ میں قیمتی دھاتوں کے خزانے بھر دیئے گئے۔ کیا یہ سب کچھ خود بخود ہو
گیا ہے یا کسی صالح کی اعجازِ نمائی ہے۔ جب وہ اپنے اندر اور عالم میں بکھری ہوئی نشانیوں کو دیکھتا تو
اس میں شک و تذبذب کا شائبہ بھی باقی نہیں رہتا اور اس کی ہستی کا یقین دل میں راسخ ہو جاتا ہے۔
چنانچہ ارشادِ الہی ہے:

﴿وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۝ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝﴾

یقین رکھنے والوں کیلئے زمین میں بے شمار نشانیاں ہیں اور خود تمہارے اندر
بھی تو کیا تم اتنا بھی نہیں دیکھتے۔ ۲

۱۔ بحار الانوار، ج ۳، ص ۱۵۲۔

۲۔ سورۃ ذاریات، آیت ۲۰-۲۱۔

پھر دنیا کے تغیرات و انقلابات کو دیکھتا ہے کہ جو بنتا ہے وہ بگڑتا ہے، جو کھلتا ہے وہ مرجھاتا ہے اور جو پیدا ہوتا ہے وہ مرتا ہے۔ تو کیا یہ تمام کارخانہ شکست و ریخت بغیر کسی مقصد کے ہے؟ غور و فکر سے اس نتیجے تک پہنچائے گا کہ جب ہر چیز کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے تو اس دنیا کی عظیم زندگی کا بھی کوئی مقصد ہونا چاہئے۔ اور جب کہ ہر لگاڑ کے پیچھے بناؤ اور سلجھاؤ ہے تو اس فانی زندگی کے پیچھے بھی کوئی باقی و جاوداں زندگی ہونا چاہئے جسے دنیوی زندگی کا مقصد قرار دیا جاسکے۔ اور جب ان دونوں زندگیوں میں موازنہ کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ ایک کا نتیجہ فنا اور ایک کا انجام بقا ہے تو وہ آخرت کی دائمی راحت کو دنیا کی چند روزہ زندگی پر ترجیح دے گا۔ جب غور و فکر سے اس نتیجے پر پہنچتا ہے تو عمل کی تحریک اور آخرت کے سر و سامان کی فکر دامن گیر ہوتی ہے اور اس طرح وہ ذخیرہ آخرت فراہم کرنے اور عمل صالح بجالانے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ امیر المؤمنین علیہ السلام کا ارشاد ہے:

التَّفَكُّرُ يَدْعُو إِلَى الْبِرِّ وَالْعَمَلِ بِهِ.

تفکر، نیکی اور اس پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دیتا ہے۔^۱

تقویٰ:

”تقویٰ“ نام ہے اس تاثر کا جو عظمت و اقتدار الہی کے تصور سے انسان کے دل و دماغ پر طاری ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور ادائے فرض پر آمادہ ہوتا ہے، تاکہ عقبیٰ کی باز پرس اور جہنم کے عذاب سے اپنا تحفظ کر سکے۔ خداوند عالم نے بہت سے محامد و اوصاف کو تقویٰ سے وابستہ کیا ہے، جن میں چند یہ ہیں جو قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں:

* ۱۔ ”تقویٰ“ ایک مدوح صفت ہے۔ چنانچہ ارشاد الہی ہے:

﴿وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾

اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک یہ بڑے حوصلہ کے کام ہیں۔^۲

^۱ الکافی، ج ۲، ص ۵۵۔

^۲ سورہ آل عمران، آیت ۱۸۶۔

* ۲۔ یہ کید و مکر سے حفظ و نگہداشت کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَأَنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا﴾

اور اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہیں ان کا مکر ذرا نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

* ۳۔ یہ تائید و نصرت الہی کا وسیلہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا﴾

اللہ تعالیٰ تو بس ان لوگوں کے ساتھ ہے جو اس سے ڈرتے ہیں۔

* ۴۔ یہ سختیوں سے رہائی اور رزق کی فراوانی کا باعث ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۖ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا

يَحْتَسِبُ﴾

جو خدا سے ڈرے گا تو خدا اس کیلئے رہائی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو

ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے سان گمان بھی نہ ہو۔

* ۵۔ یہ اصلاحِ عمل کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۖ يُصْلِحْ

لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ﴾

(اے ایمان والو!) خدا سے ڈرتے رہو اور جب کہو تو درست بات کہو تو خدا

تمہارے اعمال درست کر دے گا۔

* ۶۔ یہ محبت الہی کا پیش خیمہ ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ﴾

۱۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۲۰۔

۲۔ سورہ نحل، آیت ۱۲۸۔

۳۔ سورہ طلاق، آیت ۲۔۳۔

۴۔ سورہ احزاب، آیت ۷۰۔۷۱۔

بیشک اللہ پر ہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔ ۱

* ۷۔ اس پر قبولیت اعمال کا انحصار ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ﴾^۲

اللہ تعالیٰ صرف پرہیزگاروں کے اعمال قبول کرتا ہے۔ ۷

* ۸۔ یہ دشواریوں کے حل کرنے کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ ارشاد الہی ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا﴾^۳

جو خدا سے ڈرتا ہے خدا اس کے کام میں سہولت و آسانی پیدا کر دیتا ہے۔ ۸

* ۹۔ یہ عفو گناہ اور اجر عظیم کا باعث ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَكْفِرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا﴾^۴

جو خدا سے ڈرتا ہے گا تو وہ اسکے گناہ دور کر دے گا اور اسے بڑا اجر دے گا۔ ۹

* ۱۰۔ یہ فلاح و کامرانی کا باعث ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾^۵

خدا سے ڈرو تا کہ تم فلاح و کامرانی حاصل کرو۔ ۱۰

* ۱۱۔ یہ عزت و سرفرازی کا سبب ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَى﴾^۶

بیشک خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت وہی ہے جو بڑا پرہیزگار ہو۔ ۱۱

* ۱۲۔ یہ موت کے وقت نوید و بشارت کا سبب ہے۔ چنانچہ ارشاد الہی ہے:

۱۔ سورہ توبہ، آیت ۴۔

۲۔ سورہ مائدہ، آیت ۷۷۔

۳۔ سورہ طلاق، آیت ۴۔

۴۔ سورہ طلاق، آیت ۵۔

۵۔ سورہ آل عمران، آیت ۲۰۰۔

۶۔ سورہ حجرات، آیت ۱۳۔

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ﴾ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ
الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ﴿۱۳﴾

وہ لوگ جو ایمان لائے اور خوف کھاتے رہے، انہیں دنیا کی زندگی میں بھی
بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔ ۱۳

* ۱۳۔ یہ نجات کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا﴾

پھر انہی کو نجات دیں گے جو ڈرتے رہے ہیں۔ ۱۴

* ۱۴۔ یہ فوزِ اخروی کا ضامن ہے۔ چنانچہ ارشادِ الہی ہے:

﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ﴾

پرہیزگاری ہی کا تو انجام بخیر ہے۔ ۱۵

محبت و موڈت:

دنیا میں زندگی بسر کرنے کیلئے جن چیزوں کی ضرورت ہے ان میں سب سے زیادہ ضروری چیز
تعلقات کی خوشگوار اور باہمی تعاون و سازگاری ہے۔ کیونکہ انسان اپنے ضروریات میں ایک
دوسرے کا محتاج ہے اور دوسروں سے بے نیاز رہ کر زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اور محبت و باہمی وابستگی کی
صورت میں باآسانی ان ضروریات کو پورا کیا جاسکتا ہے اور محبت کے ہوتے ہوئے کسی کو کسی سے
شکایت کا موقع نہ ملے گا۔ کیونکہ محبت ایثار کی مقتضی ہوتی ہے اور روابطِ محبت کی استواری کے بعد اگر
کوئی نقصان ہوتا بھی ہو تو اُسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ اسی لئے شارعِ اسلام نے نماز، حج، زکوٰۃ،
جمعہ کے اجتماع، مصافحہ اور میل ملاقات کو خاص اہمیت دی ہے، تاکہ لوگوں میں اُلفت و یگانگت کے
رابطے بڑھیں اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوں، دوسروں کی ضرورتوں کو پورا کریں اور
اپنے بنی نوع کے کام آئیں۔

۱۳۔ سورہ یونس، آیت ۶۳-۶۴۔

۱۴۔ سورہ مریم، آیت ۷۲۔

۱۵۔ سورہ طہ، آیت ۱۳۲۔

صلہ رحمی:

”صلہ رحمی“ یہ ہے کہ اپنے عزیزوں اور قریبیوں سے قطع تعلق نہ کرے، نہ انہیں کسی قسم کا گزند پہنچائے اور نہ ان کے متعلق کوئی ایسی بات کہے جو رنجش و دل شکستگی کا باعث ہو، بلکہ ہر طرح سے ان کی دلجوئی و ہمدردی کرے، احتیاج و ضرورت کے موقع پر اگر استطاعت رکھتا ہو تو ان کی مدد کرے، کسی مصیبت میں مبتلا ہوں تو ان کی رہائی کیلئے تگ و دو کرے، بیمار ہوں تو عیادت کیلئے جائے غمی خوشی میں شرکت کرے۔ اس صلہ رحمی کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے محبت و موانست کے جذبات قوی ہوتے ہیں جو ایک دوسرے سے وابستہ کر دیتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ وقت پر کام آتے ہیں، دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں اور اس اجتماع و اتحاد سے قوت و پشت پناہی حاصل ہوتی ہے۔ اور احادیث میں وارد ہوا ہے کہ اس سے عمر میں اضافہ اور فقر و پریشانی کا ازالہ ہوتا ہے۔

احسان:

کسی کے ساتھ نیکی کرنا ”احسان“ کہلاتا ہے۔ احسان کا پھل دنیا میں ملتا ہے اور آخرت میں بھی۔ چنانچہ انسان جب دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے تو «الْأَنْسَانُ عَيْنِدُ الْإِحْسَانِ»: ”انسان بندہ احسان ہے“ کی بنا پر دوسرا اس حسن سلوک و ہمدردی سے متاثر ہوگا اور اس کے دل میں محبت و خیر سگالی کے جذبات پیدا ہوں گے اور وہ اس احسان کے بدلہ میں اپنی تمام ہمدردیوں کو اس کیلئے وقف کر دے گا۔ اور وہ خود بھی جب نام و نمود اور ذاتی اغراض کے جذبات سے الگ ہو کر کسی کے ساتھ نیکی کرتا ہے مثلاً کسی بھوکے کو کھانا کھلاتا ہے یا کسی نادار کی مدد کرتا ہے تو ایک ایسی ملکوتی مسرت محسوس کرتا ہے جو مادی لذائذ سے کہیں زیادہ کیف افزا ہوتی ہے۔ اور اگر اس کے احسان کو ناقدری و ناشکری کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے تو اسے اس پر کبیدہ خاطر نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس کا احسان رایگاں نہیں گیا۔ اس لئے کہ اُس نے روحانی مسرت کے ساتھ محبت الہی کی دولت حاصل کر لی ہے۔

چنانچہ ارشادِ الہی ہے:

﴿وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾

اللہ تعالیٰ کی محبت ان کیلئے ہے جو احسان کرنے والے ہیں۔^۱

چشم:

اگر انسان دوسروں کے عیوب ہی پر نظر رکھے اور کسی موقع پر ”چشم“ سے کام نہ لے تو وہ کبھی اپنی زندگی کو خوشگوار نہیں بنا سکتا۔ کیونکہ انسانوں میں عیب تو ہوتے ہی ہیں۔ اگر ان کی ہر ہر غلطی پر نظر رکھی جائے اور ہر بات سے اثر لیا جائے تو وہ ان کی نظروں میں کھٹکھٹے لگے گا اور تعلقات کی خوشگواری ختم ہو جائے گی اور اس طرح وہ اپنے ہاتھ سے اپنے دوستوں کو کھودے گا اور وقت پر اُسے کوئی معاون و مددگار نہ مل سکے گا۔

خوش خلقی:

یہ وہ جو ہر ہے جو اپنی تابانیوں سے چاروں طرف مسرت پھیلاتا اور دل و دماغ کو غم و غصہ کے مضر جذبات سے بچا کر ایک کیف افزا ماحول میں پہنچا دیتا ہے۔ چنانچہ جو خوش خوئی و نرم روی کے صفات رکھتا ہے وہ نہ تھا اپنی ذہنی فضا کو پُر مسرت بناتا ہے بلکہ دوسروں کیلئے بھی بساطِ مسرت چن دیتا ہے اور اس طرح وہ بڑی آسانی سے دوسروں کا تعاون حاصل کرتا اور اپنے بگڑے کاموں کو بنا لیتا ہے۔

اصلاح ذات البین:

باہم غلط فہمیوں کو دور کر کے دو شخصوں کو آپس میں ملادینا ”اصلاح ذات البین“ کہلاتا ہے۔ اس سلسلہ میں اگر کوئی بات خلاف واقع کہنی پڑے، اس طرح کہ ایک کو دوسرے کی طرف سے یہ کہے کہ وہ تمہارے متعلق بڑے اچھے خیال کا اظہار کرتا تھا اور دوسرے سے یہ کہے کہ وہ تمہارے فلاں کام کی بڑی تعریف کرتا تھا تو یہ باتیں اگرچہ خلاف واقع ہیں لیکن مقصد کی اہمیت کے پیش نظر اس دروغ مصلحت آمیز کی شرعاً اجازت ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں طرف سے دل صاف ہو جائیں گے

^۱ سورہ آل عمران، آیت ۱۴۸۔

اور کدورتیں ختم ہو جائیں گی۔ اسی اہمیت کے پیش نظر قدرت کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوِيكُمْ﴾

مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں لہذا اپنے دو بھائیوں میں (اگر رنجش ہو تو)

میل کرادیا کرو۔

راست گوئی:

علم و یقین کے مطابق کسی بات کے کہنے کا نام سچ اور خلاف واقعہ اظہار کا نام جھوٹ ہے۔ خواہ یہ خلاف واقعہ اظہار زبان سے ہو یا سحر کی حرکت سے یا ہاتھ کے اشارہ سے۔ سچ اخلاقی تعمیر کی بنیاد اور خود اعتمادی و ذہنی سکون کا سرچشمہ ہے اور جھوٹ سے اطمینان و ذہنی اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ سچ فطری اور جھوٹ فطرت سے بغاوت ہے۔ چنانچہ ایک بچے سے جو ابھی غلط ماحول سے متاثر نہ ہوا ہو، کوئی بات دریافت کی جائے تو بے ساختہ اس کی زبان پر سچی بات آئے گی اور جب پہلے پہل کسی سے کوئی خلاف واقعہ بات سنتا ہے تو اسے ایک طرح سے حیرت ہوتی ہے کہ یہ کیا؟ اور اس کی صاف و سادہ طبیعت پر یہ چیز گراں گزرتی ہے۔ سچا انسان بغیر کسی ہتھیار کے اپنے اندر اتنی قوت رکھتا ہے کہ اس کا مقابلہ مشکل ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف جھوٹا آدمی جھوٹ کے ظاہر ہو جانے کے اندیشہ سے غیر مطمئن اور ذہنی الجھاؤ میں مبتلا اور متذبذب و متزلزل رہتا ہے۔ اور چونکہ لوگ اس کی بات پر اعتماد نہیں کرتے اس لئے وہ ان کی نگاہوں میں بھی ذلیل اور خود اپنی نظروں میں بھی حقیر ہو جاتا ہے۔ اسلام اصلاح معاشرہ اور باہمی تعاون و اعتماد کا داعی ہے اور یہ دونوں چیزیں سچائی سے وابستہ ہیں۔ اس لئے وہ ایک مسلمان کو زندگی کے ہر شعبہ میں سچائی کی راہ پر گامزن دیکھنا چاہتا ہے۔ خواہ سچائی بہت سے منافع سے محرومی اور جھوٹ بہت سے فوائد کا باعث کیوں نہ ہو۔ چنانچہ امیر المؤمنین علیہ السلام کا ارشاد ہے:

عَلَامَةُ الْإِيْمَانِ أَنْ تُؤْتِرَ الصِّدْقَ حَيْثُ يَصُرُّكَ عَلَى الْكَذِبِ

حَيْثُ يَنْفَعُكَ.

ایمان کی علامت یہ ہے کہ جہاں سچائی سے نقصان اور جھوٹ سے کچھ فائدہ بھی حاصل ہو رہا ہو، سچائی ہی کو اختیار کرے۔^۱

سلبی صفات:

وہ اوصاف جن سے انسان کو خالی ہونا چاہئے تاکہ اخلاق کی تربیت بہ احسن طریق ہو سکے، یہ ہیں:

بدعت:

”بدعت“ کے لغوی معنی نئی چیز کے ہیں اور اصطلاحاً اس چیز کو کہتے ہیں جو قرآن و سنت کے خلاف ہونے کے باوجود دین میں داخل کر لی گئی ہو۔ یہ حرام اور سراسر ضلالت و گمراہی ہے۔ جیسے نوافل میں جماعت، جمعہ کے دن اذان میں اضافہ، قبل از وقت افطار، اعضائے مسح کو مسح کے بجائے دھونا، امام حق کے خلاف بغاوت وغیرہ۔ اور ہر نئی چیز پر بدعت کا اطلاق صحیح نہیں ہے، چنانچہ شہیدؒ نے قواعد میں تحریر کیا ہے کہ صرف انہی چیزوں کو بدعت سے تعبیر کیا جائے گا جو اولہ تحریم کے تحت میں آتی ہوں اور جو اس کے تحت میں نہ آتی ہوں انہیں حرام نہیں کہا جائے گا، بلکہ اُن میں سے بعض واجب ہیں، جیسے کتاب و سنت کی تدوین جبکہ ان کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو، اور بعض مستحب ہیں جیسے دینی مدارس کی تاسیس، اور بعض مکروہ ہیں جیسے تزئین مساجد، اور بعض مباح ہیں جیسے آرام و رفاہیت کی زندگی بسر کرنا۔

قیاس:

دین میں ”قیاس“ کے معنی یہ ہیں کہ کسی امر مشترک کی وجہ سے ایک چیز کا حکم دوسری چیز پر جاری کرنا، کیونکہ وہ امر مشترک ہی اس حکم کی علت ہے اور علت کا اتحاد حکم کے اتحاد کا مقتضی ہوتا ہے۔

^۱ نصح البلاغ، حکمت نمبر ۴۵۸۔

اس ”قیاس“ کی تین قسمیں ہیں:

- پہلی قسم قیاس منصوص العلة ہے۔ جیسے ارشادِ نبوی ﷺ: حُرِّمَتِ الْخَمْرُ لِاسْكَارِهَا^۱: ”شراب نشہ آور ہونے کے سبب سے حرام ہے“ سے ہر نشہ آور چیز کو حرام قرار دینا۔ یہ قیاس صحیح ہے، کیونکہ شارع نے خود علت کو بیان کر دیا ہے۔
 - دوسری قسم قیاس بطریق اولیٰ ہے جیسے ارشادِ الہی: ﴿فَلَا تَقُلْ لَهُمْ أُفٍّ﴾^۲: ”ماں باپ کو اُف تک نہ کہو“ سے گزند و اذیت کا حرام قرار دینا۔ یہ قیاس بھی اپنی اولویت کی بنا پر درست ہے۔
 - تیسری قسم قیاس مستنبط العلة ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی رائے سے علت کا استنباط کر لیا جائے اور اسے مناط حکم قرار دے لیا جائے۔
- یہ قیاس شیعہ نقطہ نظر سے صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ قیاس و رائے کی تجویز کی ہوئی علت کا علت ہونا ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ چور کا ہاتھ اگر ایک چوتھائی دینار کی وجہ سے کاٹا جاتا ہے تو از روئے قیاس غاصب کا ہاتھ بھی اس مقدار پر قطع ہونا چاہئے، حالانکہ وہ ہزار دینار بھی غصب کر لے جب بھی اس کے ہاتھ قطع نہیں ہوں گے۔ اس لئے آئمہ معصومین علیہم السلام نے اس قسم کے قیاس سے منع کیا ہے تاکہ انسانی رایوں سے شریعت کے خدوخال مسخ نہ ہونے پائیں۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

إِنَّ السُّنَّةَ إِذَا قُبِسَتْ مُحِقَّ الدِّينِ.

سنت میں اگر قیاس کیا جائے تو دین ہی ختم ہو جائے گا۔^۳

البتہ ایک گروہ اس قسم کے قیاس کو صحیح سمجھتا اور اسے شرعی ماخذ قرار دیتا ہے۔ ابن قتیبہ نے المعارف میں اس گروہ کے نمایاں افراد کے نام گنوائے ہیں جو یہ ہیں: ابن ابی لیلیٰ، ابو حنیفہ، ربیعہ ابن ابی عبد الرحمن، زفر ابن ہذیل، عبد الرحمن ابن عمرو اوزاعی، سفیان ثوری، مالک ابن انس،

^۱ بیان المختصر شرح مختصر ابن الحاجب، ج ۲، ص ۱۹۴۔

^۲ سورہ بنی اسرائیل، آیت ۲۴۔

^۳ الکافی، ج ۱، ص ۵۷۔

قاضی ابو یوسف اور محمد ابن الحسن الفقہیہ۔ ان سب میں حضرت ابو حنیفہ کو ایک خاص شہرت و امتیاز حاصل ہے۔ چنانچہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اور دمیتری نے حیوۃ الحيوان میں انہیں اہل قیاس و رائے کا امام تحریر کیا ہے اور زحشری نے ربیع الا برار میں یوسف ابن اسباط کا یہ قول نقل کیا ہے:

رَدُّ آبُو حَنِيفَةَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَرْبَعًا مِائَةً حَدِيثًا أَوْ أَكْثَرَ.

امام ابو حنیفہ نے چار سو یا اس سے زیادہ حدیثوں کو قیاس کے مقابلے میں

نا قابل عمل قرار دیا۔^۱

عجب و کبر:

”عجب“ (خود بینی) یہ ہے کہ انسان اپنی کسی خوبی پر ناز کرتے ہوئے دوسروں سے اپنے کو بلند و برتر تصور کرے، اعم اس سے کہ (خواہ) وہ خوبی اس میں پائی جاتی ہو یا نہ پائی جاتی ہو، یا جسے وہ خوبی سمجھ رہا ہے وہ واقع میں خوبی ہو یا صرف اسے خوبی تصور کر لیا ہو۔ اور ”کبر“ (غرور) یہ ہے کہ دوسروں کے مقابلہ میں ایسے افعال و حرکات کا مظاہرہ کرے جن میں اپنی بلندی اور دوسروں کی تحقیر کا پہلو نکلتا ہو۔ مثلاً کسی کے ساتھ کھانے پینے میں ناک بھوں چڑھائے، غریب کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور تعلقات پیدا کرنا پسند نہ کرے، راستہ چلنے میں ساتھ والوں سے آگے رہنے کی کوشش کرے، دوسروں سے سلام کا منتظر رہے اور بات چیت میں بے رنجی و بے التفاتی کا رویہ اختیار کرے۔ یہ تمام چیزیں تکبر کی علامات ہیں۔ ایسا شخص فیضانِ رحمت سے ہمیشہ محروم رہتا ہے۔ چنانچہ جب مینہ برستا ہے تو سر بلند چوٹیوں پر سے پانی گزر جاتا ہے اور جہاں نشیب ہوتا ہے وہاں جمع ہو جاتا ہے اور اس کے رگ و ریشہ کو سیراب کر دیتا ہے۔

اس غرور و خود پسندی کا علاج یہ ہے کہ انسان اپنے آغاز و انجام کو دیکھے کہ «أَوَّلُهُ نُظْفَةٌ وَ آخِرُهُ جِبْفَةٌ»^۲: ”اس کی ابتدا نطفہ اور انتہا مردار ہے“، اور اپنی شکستگی و در ماندگی پر نظر کرے کہ وہ

^۱ ربیع الا برار، ج ۱، ص ۳۱۱۔

^۲ نبج البلاغ، حکمت نمبر ۴۵۴۔

زندگی کے ہر گوشہ میں سراپا احتیاج ہے، اور ہر مرحلہ پر دوسروں کے سہارے کا منتظر، جب پیدا ہوا اس وقت دوسروں کی تربیت و نگرانی کا دست نگر، جب مرے گا اس وقت دوستوں کے قبر تک پہنچانے کا محتاج، اور جب تک زندہ رہا لباس، رہائش، غذا، دوا، غرض زندگی کے تمام ضروریات میں دوسروں کا سہارا ڈھونڈتا رہا۔ اس کے مقابلہ میں حیوان کا دائرہ احتیاج کہیں محدود ہے۔ وہ اپنی جائے رہائش، خوراک خود مہیا کر لیتا ہے، لباس کی اسے احتیاج نہیں، مرض کا حملہ اس پر بہت کم ہوتا ہے اور جب ہوتا ہے تو اپنی دوا خود تلاش کر لیتا ہے۔

اگر انسان کو اپنے حسب و نسب پر غرور ہو تو اسے غور کرنا چاہئے کہ اس میں اس کی کارکردگی کا کیا دخل ہے کہ بلندیسی اس کیلئے سرمایہ افتخار بن سکے۔ اُسے یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ اپنے آباء کے کمالات کا ورثہ دار ہے، یا تنگ اسلاف۔ اگر ورثہ دار ہے تو یہی ذاتی جوہر کیا کم ہے کہ وہ قصر عز و افتخار کی تعمیر کیلئے بوسیدہ ہڈیوں کا سہارا ڈھونڈے۔ اور اگر باعثِ ننگ ہے تو ان پر افتخار موجب عار ہے۔

اور اگر مال و دولت کی وجہ سے غرور ہو تو یہ دیکھے کہ یہ تو مبروص اور کوڑھی لوگوں کے پاس بھی فراوانی کے ساتھ ہو سکتی ہے اور کافر بے دین بھی اس میں سے زیادہ حصہ سمیٹ سکتا ہے۔ تو اس پر فخر ہی کیا جس میں ایک کافر بھی بڑھ جائے۔ اور قوت و طاقت پر ناز ہو تو ایک چیونٹی کو دیکھے کہ وہ دن بھر چلتی پھرتی اور اپنے سے چار سو گنا بوجھ اٹھا لیتی ہے، مگر تھکتی نہیں، اور شہد کی مکھی ایک قطرہ شہد تیار کرنے کیلئے تین سو پھولوں کا رس چوستی ہے مگر تھکن محسوس نہیں کرتی، اور چھرا انتہائی قلیل غذا کے باوجود دن بھر پرواز کر سکتا ہے اور اسے چند گھنٹے بھی پیدل چلنا پڑے تو ہلکان ہو جائے۔

حسد:

یہ ایک شدید قسم کا نفسانی مرض ہے جو حاسد کو گھن کی طرح اندر ہی اندر چاٹ لیتا ہے یہ سمجھتے ہوئے کہ حسد سے نہ محسود کا کچھ بگڑ سکتا ہے، نہ اس کی نعتیں اور آسائشیں سلب ہو سکتی ہیں۔ پھر جلنا اور کڑھنا تقاضائے ہوشمندی کے سراسر خلاف ہے۔ بلکہ دوسرے کو نقصان پہنچنے کے بجائے خود اس کیلئے تلخیوں کے ایسے اسباب فراہم ہو جاتے ہیں جو اسے ہمیشہ قرار و سکون سے محروم اور ذہنی الجھنوں

میں بنتلا رکھتے ہیں۔

چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

أَقْلُّ النَّاسِ لَذَّةَ الْحَسُودِ.

حاسد سب سے بڑھ کر تلخ کام ہوتا ہے۔^۱

اگر اسے یہ یقین ہو کہ خداوند عالم جو کچھ کرتا ہے اس میں خیر و مصلحت ہی کارفرما ہوتی ہے۔ اگر کسی کو عزت و اقبال اور جاہ و ثروت سے وافر حصہ دیتا ہے تو اس میں بھی اس کی حکمت و مصلحت ہوتی ہے۔ لہذا حسد کرنا حکمت و مصلحت الہی کے خلاف چاہنا ہے اور یہ ایک طرح سے سرکشی و الحاد ہے جو خیر و سعادت سے محرومی کا باعث ہوتا ہے۔

غیظ و غضب:

یہ بھی ایک نفسانی مرض ہے جس کے نتیجے میں انسان بے قابو ہو جاتا ہے اور زبان سے ایسے نازیبا کلمات نکل جاتے ہیں، یا باتھ سے ایسی حرکت سرزد ہو جاتی ہے جس کے نتائج عموماً ناخوشگوار ہوتے ہیں۔ اگر اس ہجانی کیفیت پر صبر و ضبط کے ذریعہ غلبہ پالیا جائے تو بہت سے مفاسد کا سدباب ہو جاتا ہے اور دوسرے رفیق پر یہ اثر پڑتا ہے کہ وہ اس زیادتی پر جو غصہ دلانے کا باعث ہوئی ہے خود نادم و شرمسار ہوتا ہے اور اپنی خطا کا اعتراف کرتے ہوئے معذرت پر آمادہ ہو جاتا ہے جس سے تلخی پھر خوشگوار سے بدل جاتی ہے۔

غیبت:

کسی مومن کی پس پشت برائی کرنا ”غیبت“ کہلاتا ہے۔ یہ ایک ایسی ناشائستہ خصلت ہے کہ انسان دوسروں کے عیوب کی ٹوہ میں لگا رہتا ہے تاکہ اپنی عادت کو پورا کرنے کیلئے اُسے مواد حاصل ہوتا رہے۔ قدرت نے اس خصلت کو مُردارِ خواری سے تعبیر کیا ہے، تاکہ انسان کی فطری کراہت کو اُبھار کر اُسے نفرت دلائے۔ چنانچہ ارشاد الہی ہے:

^۱ من للاحقرہ الفقہ، ج ۴، ص ۱۹۵۔

﴿وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُمُ بَعْضًا أَيُّبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ
أَخِيهِ مَيْتًا﴾

تم آپس میں ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو، کیا تم میں سے کوئی یہ گوارا کرے
گا کہ وہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے۔^۱

غیبت سے منع کرنے اور اس سے نفرت دلانے کیلئے اس سے بہتر کیا تعبیر ہوگی کہ یہ غیبت کرنا
ایسا ہی ہے جیسے مُردہ بھائی کا گوشت کھانا۔ یہ قید اس لئے ہے کہ مُردہ نہ زبان سے کچھ کہہ سکتا ہے اور نہ
ہاتھ سے روک سکتا ہے جس طرح چاہو اسے چیر و پھاڑو اور اس کی بوٹیاں نوچو۔ یہی حالت اس شخص کی
ہوتی ہے جس کی غیبت کی جاتی ہے کہ وہ نہ غیبت کرنے والے کی زبان روک سکتا ہے اور نہ اُسے منع کر
سکتا ہے۔ کیونکہ یہ سب بُرائی اس کے پس پشت ہوتی ہے۔ اس غیبت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے آپس
میں نفرت بڑھتی ہے، پھر رفتہ رفتہ اس نفرت کا دائرہ اتنا وسیع ہو جاتا ہے کہ خاندانوں اور قوموں کو اپنی
لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ جس سے ایسے مفسد جنم لیتے ہیں جو تباہی و بربادی کی تکمیل کر دیتے ہیں۔

تعبیر:

کسی شخص کو اس کے عیب یا گناہ کی بنا پر مطعون قرار دینا ”تعبیر“ کہلاتا ہے۔ یہ بھی بعض لوگوں
کا دلچسپ مشغلہ ہے کہ وہ جس میں کوئی بری بات دیکھتے ہیں اس کی تنقیص شروع کر دیتے ہیں اور
بعض تو اپنی تشفیف پسندی و تنگ مزاجی کی وجہ سے اُسے نہی عن المنکر کے قبیل سے تصور کرتے ہوئے
موقع و بے موقع زبانِ طعن کھول دیتے ہیں، حالانکہ اگر وہ خود اپنا جائزہ لیں تو اس جیسے کتنے ہی عیوب
ان کے اندر موجود ہوں گے۔ درحقیقت یہ عیب بینی و نکتہ چینی اپنی ہی خامی ہوتی ہے جو دوسروں کے
اندر نظر آتی ہے:

ای بسا ظلمی کہ بینی در کسان خوی تو باشد دریشان ای فلان
اگر یہ گناہ سے نفرت دلانے اور نصیحت و خیر خواہی کے عنوان سے ہو تو یہ نہی عن المنکر کے قبیل

^۱ سورہ حجرات، آیت ۱۲۔

سے سمجھی جائے گی جو اپنے محل و مورد سے وابستہ ہے، مگر یہ نکتہ چینی تو علاج کے بجائے دوسرے کی تحقیر و تذلیل کیلئے ہوتی ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ وہ خود اس عیب سے بری ہیں۔ لیکن بری ہوں بھی تو اس کا ذمہ تو نہیں لے سکتے کہ ان کا دامن کبھی داغدار نہ ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ جو آج دوسروں میں کیڑے ڈال رہے ہیں کل ان میں بھی پڑ جائیں۔ چنانچہ پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ عَايَرَ مُؤْمِنًا بِذَنْبٍ لَّمْ يَهْتِ حَتَّى يَزْكَبَهُ.
جو کسی مومن پر اس کے کسی گناہ کی وجہ سے عیب لگاتا ہے وہ ویسے ہی گناہ کا مرتکب ہو کر مرتا ہے۔^۱

سوء ظن:

کسی مسلم و مومن کے متعلق خود ساختہ قرائن کی بنا پر خیال فاسد قائم کرنا سوء ظن کہلاتا ہے۔ یہ چیز خبث فطرت و سوء باطن کی دلیل ہے جس کے نتیجے میں باہمی تعاون و اعتماد کا ماحول ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے قدرت نے بدگمانی کو گناہ سے تعبیر کرتے ہوئے اس سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد الہی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ
اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچے رہا کرو کیونکہ بعض گمان بدگناہ ہوتے ہیں۔^۲

اور پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ مِنَ الْمُسْلِمِ دَمَهُ وَ عِرْضَهُ وَ أَنْ يُظَنَّ بِهِ ظَنُّ السُّوءِ.
خداوند عالم نے مسلمان کا خون بہانے، اس کی عزت پر حملہ آور ہونے اور اس

^۱ الکافی، ج ۲، ص ۳۵۶۔

^۲ سورہ حجرات، آیت ۱۲۔

کے متعلق سوئے ظن رکھنے کو حرام قرار دیا ہے۔^۱

بدگمانی کو وہی شخص اپنے دل میں جگہ دے گا جس کا دل خود صاف نہ ہوگا۔ اس لئے کہ انسان ہر آئینہ میں اپنی ہی صورت دیکھتا ہے اور جیسا وہ خود ہوتا ہے ویسا ہی دوسروں کے متعلق تصور قائم کرنے لگتا ہے۔ اور جس کا دل پاک و صاف ہوگا وہ بدگمانی کو اپنے دل میں نہ آنے دے گا اور نہ زبان سے کوئی ایسی بات کہے گا جس سے بدگمانی کا اظہار ہوتا ہو۔ اس قسم کی بدگمانی صرف انموئے شیطانی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ کیونکہ اندرونی کیفیت و باطنی حالت پر خداوند علیم و خبیر کے علاوہ کوئی دوسرا آگاہ نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی دوسرے کے اندر جھانک کر نیت کی اچھائی یا بُرائی کو دیکھ سکتا اور دل کا حال جان سکتا ہے۔ لہذا کسی کے متعلق بے جانے، بے دیکھے ایک خیال قائم کر لینا صرف اس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ شیطان نے اس کی قوت و اہمہ میں نیکی کا تصور قائم کرنے کے بجائے بُرا تصور قائم کر دیا ہے اور جو تصور شیطانی و سوسہ کا نتیجہ ہو اس پر اثرات مرتب کرنا غلط ہوگا۔ اس طرح کہ کسی کو خیرات کرتے دیکھیں تو یہ خیال قائم کر لیں کہ یہ نام و نمود کیلئے ایسا کر رہا ہے، یا کوئی اور عمل خیر کر رہا ہو تو اُس کی ذاتی غرض پر محمول کیا جائے۔ ہمیں ظاہر کو دیکھتے ہوئے حُسن ظن ہی سے کام لینا چاہئے۔ رہائیت کا سوال تو اس کا محاسبہ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ جب حسن ظن ہی پر بنیاد ہے تو پھر جو ہوا اس پر اعتماد کر لینا چاہیے۔ جسے چاہیں گھر میں چھوڑ جائیں جسے چاہیں اپنا مال سپرد کر دیں۔ اور جو شخص کوئی دعویٰ کرے اُسے بغیر دلیل و سند کے تسلیم کر لیں تو یہ حزم و احتیاط اور تقاضائے عقل کے خلاف ہوگا۔ ایسے موارد پر حسن ظن کو بنیاد نہیں قرار دیا جاسکتا اور نہ ہر ایک پر کھے بغیر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ امیر المؤمنین علیہ السلام کا ارشاد ہے:

وَالظَّمَانِيَّةُ إِلَى كُلِّ أَحَدٍ قَبْلَ الْإِخْتِبَارِ عَجْزٌ.

پر کھے بغیر ہر ایک پر بھروسہ کر لینا عجز و کمزوری کی دلیل ہے۔^۲

^۱ ریاض السالکین، ج ۳، ص ۳۲۰۔

^۲ بیخ البلاغ، حکمت نمبر ۳۸۴۔

فحش کلامی:

یہ بازاری لوگوں کا وطیرہ ہے کہ وہ اپنے جیسے لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے کی وجہ سے اول نول بننے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ مگر ایک شریف و معیاری انسان کبھی یہ گوارا نہیں کرتا کہ وہ اپنی زبان پر کوئی فحش کلمہ آنے دے۔ اور اگر کسی موقع پر ایسی ضرورت پڑ جائے کہ کوئی فحش کلمہ کہنا پڑے تو وہ اسے اشارے کنائے سے ادا کرے گا اور گھل کر کہنے سے بچ جائے گا۔

دشنام طرازی:

یہ عادت نفس کی خباثت و دنیایت کی علامت ہے۔ اس سے مقصد دوسروں کو گزند پہنچانا ہوتا ہے اور کبھی بڑے لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے کی وجہ سے اس کی عادت پڑ جاتی ہے۔ بہر حال یہ کسی کو گزند پہنچانے کیلئے ہو یا بر بنائے عادت، انتہائی اشتعال انگیزی کا باعث ہوتی ہے جس سے جھگڑے، فساد اور خون خرابے تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور کبھی قتل ایسے سنگین جرم کا بھی ارتکاب ہو جاتا ہے۔ لہذا کوئی گالی دے تو گالی کا جواب گالی سے دینے کے بجائے صبر و تحمل سے کام لینا چاہیے اور گالی گلوچ سے اپنی زبان کو بچائے رکھنا چاہیے تاکہ یہ سلسلہ آگے نہ بڑھے۔

اسراف:

جہاں جتنا صرف کرنا چاہئے اس سے زیادہ مقدار میں صرف کرنا "اسراف" کہلاتا ہے۔ اور بعض اسے دریا دلی سمجھتے ہوئے جہاں ایک صرف کرنا چاہئے وہاں دس صرف کرتے ہیں اور دعوتوں اور نمائشی کاموں میں دل کے حوصلے نکالتے ہیں۔ اور جہاں کسی غریب و نادار کی اعانت اور کسی بیوہ و یتیم کی مدد کا سوال آتا ہے تو مالی کمزوری و کساد بازاری کا رونا لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ایسی دریا دلی نام و نمود کی ہوس کا نتیجہ ہوتی ہے اور یہی اسراف ہے۔ یہ اسراف اگر کھانے پینے کے سلسلہ میں ہو تو اس کے نتیجہ میں طرح طرح کے امراض سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور دوسرے امور میں ہو تو اس کا نتیجہ تباہی و بد حالی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسی مثالوں کی کمی نہیں کہ کسی منجلی طبیعت والے نے کسی تقریب میں نام و نمود کی خاطر یا رسم و رواج کو نباتنے کیلئے زمین یا مکان کو رہن رکھا اور ایک

آدھ دن خوب پہل پہل اور تزک و احتشام دکھانے میں گزارا اور ہوا یہ کہ جو رہا سہا پاس تھا وہ ختم ہوا۔ سو در سو کی بدولت مکان نیلام ہوا۔ اب نہ کوئی ٹھکانہ رہا اور نہ سر چھپانے کی کوئی جگہ۔ انسان راحت و آسائش کی زندگی اسی صورت میں گزار سکتا ہے جب وہ اعتدال و میانہ روی سے کام لے۔ ورنہ اسراف کے نتیجے میں اقتصادی الجھن اور تنگ دستی و پریشانی سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

تبدیر:

جہاں صرف نہ کرنا چاہئے وہاں صرف کرنا ”تبدیر“ کہلاتا ہے۔ اس بے محل جو دو سخا کے مظاہرہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے شخص کے گرد خوشامدیوں اور بازاری قسم کے لوگوں کا ایک حلقہ پیدا ہو جاتا ہے جو اس کی بے جا تعریف و خوشامد کر کے اُسے خود پسند بنا دیتے ہیں اور وہ انہیں اپنا خیر خواہ دوست سمجھ کر دیتا دلاتا رہتا ہے اور غریب و نادار اور مستحق و فقیر اُس کے ہاں سے محروم رہتے ہیں۔ یہ بے محل داد و دہش بدبختی کی علامت اور اُخروی سعادت سے محرومی کا باعث ہوتی ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

إِذَا آرَدْتُ أَنْ تَعْلَمَ أَشَقِيَّ الرَّجُلُ أَمَّ سَعِيدٍ، فَانْظُرْ سَيْبَهُ وَ
مَعْرُوفَهُ إِلَى مَنْ يَصْنَعُهُ، فَإِنْ كَانَ يَصْنَعُهُ إِلَى مَنْ هُوَ أَهْلُهُ،
فَاعْلَمْ أَنَّهُ إِلَى خَيْرٍ، وَإِنْ كَانَ يَصْنَعُهُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ، فَاعْلَمْ
أَنَّهُ لَيْسَ لَهُ عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ.

جب تم یہ جاننا چاہو کہ فلاں شخص بدبخت ہے یا نیک، تو اس کی داد و دہش کو دیکھو کہ وہ کن سے حُسن سلوک کرتا ہے۔ اگر وہ اہل و مستحق افراد کو دیتا ہے تو وہ بھلائی کی راہ پر گامزن ہے اور اگر نااہل سے سلوک کرتا ہے تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُس کیلئے کوئی بھلائی نہیں ہے۔^۱

سوال:

دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانا اپنی عزت سے ہاتھ اٹھانا ہے۔ اس لئے کوئی باعزت انسان انتہائی تنگی و عسرت کے باوجود سوال کرنا گوارا نہیں کر سکتا۔ یہ دنیا میں بھی رُوسیاہی کا سبب ہے اور آخرت میں بھی۔ اس سے جواب دہی ہوگی۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

إِيَّاكُمْ وَسُؤَالَ النَّاسِ، فَإِنَّهُ ذُلٌّ فِي الدُّنْيَا وَفَقْرٌ تُعْجَلُونَهُ وَحَسَابٌ طَوِيلٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

لوگوں سے سوال کرنے اور مانگنے سے بچے رہو، کیونکہ یہ دنیا میں ذلت و فقر کا

باعث ہے اور آخرت میں حساب کتاب دینا ہوگا۔^۱

سوال کی عادت عموماً فقر و ناداری کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جس سے انسان عزت نفس کھو بیٹھتا ہے۔ اسی چیز کے پیش نظر صلحاء و ابرار احتیاج و تنگ دستی سے پناہ مانگتے رہے ہیں کہ مبادا یہ تنگ دستی سوال پر مجبور کر دے اور اخلاق کی پاکیزگی ختم ہو جائے۔ مال و دولت سے بھی اگر اس کا مصرف صحیح ہو تو اخلاق کی نگہداشت کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

نِعْمَ الْعَوْنُ عَلَى تَقْوَى اللَّهِ الْعَفَى.

وسعت مالی، تقویٰ الہی میں معین و معاون ہوتی ہے۔^۲

اسی مال و دولت کی وجہ سے انسان مالی عبادات کو سرانجام دیتا ہے اور حج، خمس، زکوٰۃ، کفارہ، صلہ رحم و صدقات سب اسی سے وابستہ ہیں۔

☆☆☆☆☆

^۱ الکافی، ج ۴، ص ۲۰۔

^۲ الکافی، ج ۵، ص ۷۱۔

صحیفہ کاملہ

اللَّهُمَّ وَانطِقْنِي بِالْهُدَى وَالْهَمْنِي التَّقْوَى
وَوَفِّقْنِي لِذَاتِي هِيَ أَزْكَى وَاسْتَعْمِلْنِي بِمَا هُوَ أَرْضَى

خدا یا! مجھے ہدایت کے ساتھ گویا کر
میرے دل میں تقویٰ و پرہیزگاری کا القاء فرما
پاکیزہ عمل کی توفیق دے، پسندیدہ کام میں مشغول رکھ

(دعا نمبر 20 دعائے مکارم الاخلاق)

